دسمبر 2002

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

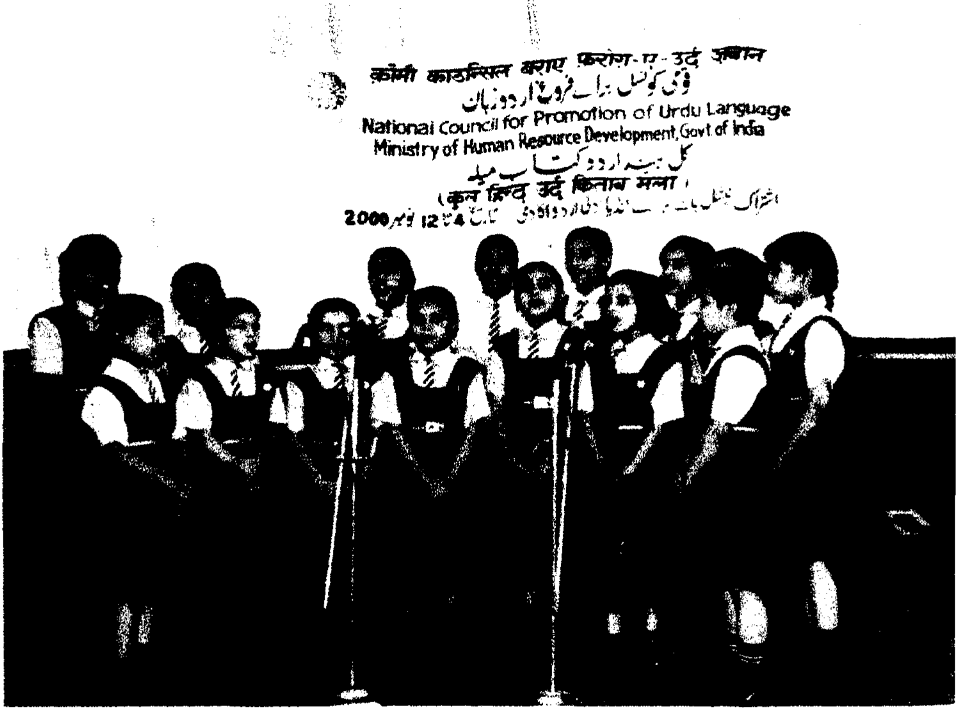

زندگی کو سمجھنے اور اسے بہتر بنانے میں اچھا ادب معاون ہوتا ہے اور ساتھ ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ ذہنی تفریح بھی بہم پہنچاتا ہے۔ بڑوں کی طرح بچوں کا بھی یہ حق ہے کہ ان کی ذہنی ضرورتوں کے مطابق انھیں اچھا ادب فراہم کیا جائے جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو تاکہ بچے خوشی خوشی اس کا مطالعہ کریں۔ کونسل نے چلڈرن بک ٹرسٹ کے اشتراک سے بچوں کے لیے بڑی تعداد میں ایسی کتابیں شائع کی ہیں جو اس معیار پر پوری اترتی ہیں۔

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی
محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

قومی اردو کونسل کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابوں کی طباعت اور انھیں کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اس لیے اردو زبان کا وہ کلاسیکی سرمایہ جو دھیرے دھیرے نایاب ہوتا جارہا ہے، قومی اردو کونسل نے اس کی مکرر اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ قومی اردو کونسل نے گذشتہ دنوں اسی مقصد کے تحت اردو اساتذہ اور ریسرچ اسکالروں کی ایک میٹنگ بلائی تاکہ کلاسیکی متون کی اشاعتِ مکرر کا لائحۂ عمل مرتب کیا جاسکے۔ اس موقعے پر لی گئی تصویر میں (دائیں سے) ڈاکٹر وہاج الدین علوی، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، پروفیسر محمد زماں آزردہ، ڈاکٹر مظہر مہدی، جناب مخمور سعیدی اور ڈاکٹر ارجمند آرا۔

قومی اردو کونسل نے مالظیہ، کرناٹک میں ایک نیا کمپیوٹر سینٹر قائم کیا ہے جس کا افتتاح ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، چیئرمین الامین ایجوکیشنل ٹرسٹ نے کیا۔ اس موقعے پر لی گئی تصویر میں (دائیں سے) جناب راشد کی، ڈاکٹر یامین فاروقی، محمد ندیم قیصر، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اور سمیع اللہ خاں۔

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2

ہماری بات .... اداریہ 5

ایک آئس کریم روزانہ (مہمان اداریہ) .... مرلی منوہر جوشی 6

● تعلیمی نظام میں اساتذہ کا رول .... اے. کے. گھوش 8

● درس و تدریس کے عصری تقاضے .... محمد حسن فاروقی 10

● برطانیہ میں اسکول سطح کی تعلیم میں اردو کا مقام .... سلیم عالم 12

● اہم جغرافیائی و سائنسی معلومات .... اقبال محی الدین 14

● مغربی بنگال میں اردو والوں کے لیے بنگلہ تعلیم کا مسئلہ .... عارف حسین 20

● امریکی کارپوریٹ سیکٹر میں گھپلے .... معین الدین خاں 23

گوشۂ ادب

● تملناڈو میں اردو شعر و ادب — کل اور آج .... علیم صبانویدی 28

گوشۂ فروغ کتب

● ضعیف الاعتقادی (فسانۂ آزاد سے اقتباس) .... رتن ناتھ سرشار 31

● جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی (اقتباس) .... مشیر الحسن 35

طلبہ کے لیے

● انڈین ایرفورس میں کیریئر .... سلمان عابد 38

● مائکروسافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 40

● کوئز (قانون) .... محمد رستم علی 42

اُردو خبرنامہ .... ادارہ 45

تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 67

● کلیات پریم چند (جلد آٹھ) / مدن گوپال .... مبصر: فیاض عالم

● مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت / پروفیسر ابوالکلام قاسمی ... مبصر: الطاف حسین ندوی

● انتخاب غزلیات میر / پروفیسر حامدی کاشمیری .... مبصر: احمد کفیل

● آواز میں لپٹی خاموشی / گل شیر بٹ .... مبصر: رضوان الحق

● لولاک / چندر بھان خیال .... مبصر: فیروز عالم

● ہند و سندر اور رنگ زیب کے فرامین / عطاء الرحمٰن قاسمی

● فاصلاتی نظام تعلیم اور اردو (ہندستانی پس منظر میں) / ریاض احمد

● پروفیسر ظہیر ورماکر — احوال و شاعری / بچے گوڑبولے

● انوار حرم / شاداں سلطان پوری ● پس عکس خیال / ارشد صدیقی ● رنگ باتیں کریں / مجید مضمر

● گھروندے ریت کے / اقبال بیدار ● محو خامہ / ساحل احمد

بچوں کا گوشہ

● جواہر لال نہرو کا خط ہندستانی بچوں کے نام .... مترجم: مشرف علی 74

● گوتم بدھ (ہندستان کی بزرگ ہستیاں سے کہانی) .... صفدر حسین 76

ماہنامہ

اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔12: دسمبر 2002

قیمت-/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

معاون مدیر: ارجمند آرا

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ تعلیم۔ حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔1، ونگ-8
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی- 066 110
فون :6103938, 6103381
6179657 فیکس :6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066
فون:6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، کرین پلازہ،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدرآباد 001 500 (A.P.)
فون:4615139

آپ کی بات

■ **گلزار، بوسکیا پالی ہل، باندرہ، ممبئی-400050**

ایک بٹ صاحب کی کتاب ملی ہے، جناب گل شیر بٹ! اس میں ایک جملہ ہے، گل شیر بٹ اگر گل شیر بھٹ بھی ہوتا تو حاصل اور لاحاصل میں الجھتا ضرور!!

میں سمجھا نہیں، ذرا وضاحت فرمائیں گے؟

آپ نے خط میں "آواز میں لپٹی خاموشی" کے صفحہ 8 کے ایک جملے "گل شیر بٹ— اگر گل شیر بھٹ بھی ہوتا تب بھی وہ حاصل اور لاحاصل میں الجھتا ضرور!!!" کی وضاحت چاہی ہے۔ دراصل یہ معاملہ اپنی جداگانہ شناخت سے جڑا ہوا ہے۔ کشمیری برہمن قدیم زمانے سے اپنے آپ کو "بھٹ" لکھتے آئے ہیں۔ وہ جب مذہب تبدیل کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو بھی اپنی پہچان کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے آپ کو 'بھٹ' ہی لکھتے رہے۔ چنانچہ کشمیری پنڈت بھٹ لکھتے ہیں اور مسلمان بھی بھٹ۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان میں کشمیری مسلمان خود کو بٹ لکھتے ہیں۔ کتاب کے صفحہ نمبر 20 کی آخری سطر میں بھی اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ "بھارت میں مقیم کشمیری" بٹ کی بجائے "بھٹ" لکھتے ہیں۔" ملک کے جنوبی حصوں میں غیر مسلم حضرات خود کو "بھٹ" لکھتے ہیں۔

■ **ڈاکٹر ایم ہاشم قدوائی، (سابق ممبر پارلیامنٹ) 107، ساچار اپارٹمنٹس، میور وہار، نئی دہلی-110091**

دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے اور اردو کو اس کا جائز مقام حاصل ہو۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے آپ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ "اردو دنیا" شائع کر کے آپ اردو کی بہت زبردست خدمت ایک دوسرے انداز اور دوسری سمت میں کر رہے ہیں۔ ان سب کے لیے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔

■ **ارشد مسعود ہاشمی، شعبۂ اردو، گوپیشور کالج، ہتھوا، گوپال گنج-841436**

"اردو دنیا" کا اکتوبر کا شمارہ پیش نظر ہے۔ تھیوڈور پی رائٹ جونیئر کی تحریر حاصلِ شمارہ ہی نہیں، حاصلِ جلد بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی تکمیل نہایت عرق ریزی کی متقاضی رہی ہوگی، اور حواشی سے تو یہ ظاہر ہی ہے۔ ارجمند آرا کا رواں ترجمہ بھی دلچسپ ہے۔ اس سلسلے کی بقیہ دو تحریریں، اطہر فاروقی صاحب کی "مسلمانوں کی ترقی کے لیے ـــ" اور سید شہاب الدین کا ردِ عمل، بھی غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ رائٹ نے جن زبانوں کے زوال کی تصویریں پیش کی ہیں ان سے واقعتاً ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ان کی تجاویز میں سے یہ اہم ہے کہ اس زبان کی زندگی کا دار و مدار خود اردو داں طبقے پر ہی ہے۔ ہم اس ذمے داری سے، کسی بھی صورت، خود کو آزاد نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے بڑے ہی خلوص کے ساتھ یہ مضمون لکھا ہوگا، اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر اردو کی بقا کے لیے ہم صرف "اردو والے" بن جائیں اور یہودی ماہر لسانیات جوشوا فش مین کی حکمتِ عملی کو اپنا لیں۔ ظاہر ہے، یہی وہ صورتیں ہوں گی جن کی وجہ سے فلسطین میں اسرائیل کی "ردِ تعمیر" کے بعد عبرانی کا طوطی بولنے لگا۔ بحث کے دوران رائٹ نے بعض ایسے خیالات کا اظہار بھی برسبیلِ تذکرہ، کر دیا ہے جن سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے! فش مین کا یہ خیال بھی، اردو کے سلسلے میں محلِ نظر ہوگا کہ زبان کے احیا کا منطقی نتیجہ ہجرت یا علاحدہ ریاست کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہندستان کے پس منظر میں یہ بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ اردو رسم خط فارسی اور عربی رسم خط کا اختلاط ہے۔ اس لیے اسے عربی رسم خط کہنا بھی محلِ نظر ہے۔

امریکی یہودیوں نے اپنی زبان کی تعلیم کا جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے وہ ہمیں کیرل میں مسلمانوں کے درمیان دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں زیادہ تر بچے صبح کے پہلے پہر سے کوئی نو بجے تک مدارس میں عربی اور اردو کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے اسکولوں کو جاتے ہیں۔ فش مین کی طرح ہی اطہر فاروقی صاحب نے بھی زبان کی بقا و ترویج کو مذہبی تعلیم سے منسلک کیا ہے۔ وہ حق بجانب ہیں جب کہتے ہیں کہ مسلم سیاسی اور مذہبی لیڈروں نے مسلم سماج کے فکری جمود کے مرض کو بڑھانے میں کسی بھی حربے کے استعمال سے گریز نہیں کیا۔ مدھیہ پردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی قابلِ تعریف کاوشیں ہمارے سامنے ہیں جن کی وجہ سے مدرسوں کی تعلیم کا تصور ہی بدل گیا ہے۔ یہ ایک اہم کام ہوگا اگر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان مختلف ریاستوں کے مدرسہ بورڈوں میں ارتباط کی کوئی صورت وضع کر سکے تاکہ مدھیہ پردیش کی طرح سبھی ریاستی مدرسے کی تعلیم کو اردو کے فروغ کے ساتھ ہی عصری تعلیم کا گہوارہ بھی بنا سکیں۔

بہار، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، دلی اور کسی حد تک کرناٹک، کیرل اور مغربی بنگال کے علاوہ دیگر ریاستوں میں مسلمانوں کے درمیان اردو

کے رابطے کی زبان ہونے کا چلن عام نہیں ہے۔ یہ حالت بہار کے پسماندہ علاقوں کی بھی ہے، جہاں علاقائی بولیاں ہی رابطے کی زبان کا کام کرتی ہیں۔ گویا بقول فش مین، ہمیں عبرانی زبان بولنے والوں جیسی خود غرضی زبان کے معاملے میں، پیدا کرنی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اگر ترسیل و ابلاغ میں اردو کے چلن کو عام کرنے کے لیے کوئی مانیٹرنگ کمیٹی تشکیل پالے، تو یہ نہایت ہی مفید ہوگا۔ اب تو ہندستان میں ہر جگہ معاملہ تشخص کی شناخت کا ہے۔ اردو والے کیوں پیچھے رہیں!!

■ سلمان عابد، 161، نہرو نگر، کاچی گوڑا، حیدر آباد-27

اکتوبر کے شمارے میں آپ کا اداریہ "ہماری بات" "دل کو چھو گیا— باپو کی شرمندگی بجا ہے۔ آؤٹ لک نے جن کالجوں میں یہ سروے کیا ہے شکر ہے کہ وہ اردو میڈیم یا پھر مدارس کے طلبہ سے متعلق نہیں تھا۔ حیدر آباد میں اس طرح کا ایک سروے بالخصوص اردو والوں میں (نوجوان نسل، دسویں سے ایم اے سطح تک کے طلبہ کے درمیان) کیا جاسکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ منظر اتنا مایوس کن نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ آج ریاستوں میں مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں اپنی کیریئر سازی اور بالواسطہ ایک قومی کیریئر سازی کی دلچسپی، لگن اور جستجو چل پڑی ہے۔ محترمہ ارجمند آرا کا ترجمہ بہترین ہے۔

■ قمر صدیقی، مدیر: ماہنامہ "اردو چینل"، 7/3121، گیانن کالونی، گوونڈی، ممبئی-400043

"اردو دنیا" بابت ستمبر 2002 ملا۔ آپ کی ادارت میں پرچہ بلند معیار کا حامل ہوگیا ہے۔ اردو کے دیگر رسالوں کے مقابلے میں یہ بالکل ہی نئے اور الگ ٹیسٹ کا رسالہ ہے۔ اس رسالے کا ہر ماہ بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

تازہ شمارے میں آپ کا اداریہ، نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون "تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم" اور معین الدین خاں کا مضمون "پرنٹ میڈیا میں غیر ملکی سرمایہ کاری" اہم ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اے۔ آر۔ فتیحی کا ریاست وار اردو آبادی کا جائزہ واقعی ایک بہت اہم کام ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اس کو کتابی شکل میں بھی شائع کریں۔ اس جائزے سے جہاں ایک طرف اردو کے تعلق سے لوگوں میں خود اعتمادی بڑھے گی (مثلاً یہی کہ 1971 سے 1991 تک مہاراشٹر کی اردو آبادی میں بیس لاکھ چھیالیس ہزار کا اضافہ ہوا، یہ یا اس طرح کی دیگر معلومات یقیناً اردو حلقے میں اس اعتماد کو جلا بخشیں گی کہ زبان بہر حال دھیرے دھیرے سہی ترقی کر رہی ہے۔) اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے جائزے سے اردو کتابوں کی مارکیٹنگ کے لیے بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ یہ شرط اردو والے اس سمت رجوع کریں۔ آپ کا پرچہ میرے پسندیدہ پرچوں میں سے ہے۔

■ محمد یعقوب الرحمٰن مہا۔ حبیب بلاکس، شندے نگر، ماؤنٹ گل

آپ کے رسالے میں علمی، ادبی، تحقیقی، سائنسی، تاریخی اور معلوماتی مضامین ایک خاص تناسب میں شائع ہوتے ہیں، اس لیے ہر ماہ مقامی ایجنٹ سے خرید لیتا ہوں۔ کچھ چیزیں پسند نہ بھی آئیں تو اس لیے برداشت کرلیتا ہوں کہ دوسروں کی پسند کا احترام بھی مقصود ہے۔ سچ یہ ہے کہ ایسا ایک بھی شمارہ نہیں گزرا، جس میں کچھ کام کی بات نہ ملی ہو۔

تازہ شمارے (اکتوبر 2002) میں پروفیسر مسعود حسین خاں کا مراسلہ پڑھنے کو ملا۔ مردم شماری کے کارکن پر مادری زبان کا کالم خالی چھوڑنے پر خاں صاحب کی جھنجھلاہٹ فطری ہے مگر اُس سے یہ کہنا "—— جی نہیں، مسلمان پر اس لیے اور نہیں کہ اُسے باآسانی خریدا جاسکتا ہے۔" خط کشیدہ جملے پر غور فرمائیں۔

یہ سچ ہے کہ ہر قوم میں کچھ لوگوں کو خریدا جاسکتا ہے لیکن محض اس لیے تمام کو ویسا ہی سمجھنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ مسعود حسین خاں صاحب بھی مسلمان ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ وہ کتنی بار خریدے گئے ہیں؟ آپ کے رسالے میں ہر شخص کو اپنے مذاق کا لٹریچر مل جاتا ہے، اسی لیے ہر جگہ نظر آنے لگا ہے۔

■ ڈاکٹر م۔ ق۔ سلیم، سائبان، 469-2-19، بیرون فتح دروازہ، حیدر آباد-53

ماہنامہ "اردو دنیا" کے تازہ شمارے (اکتوبر) پر مہاتما گاندھی کی تصویر کا عقب اور اس پر یہ سرخی کہ "باپو ہم شرمندہ ہیں" واقعی آپ کے ادبی ذوق کے ساتھ سیاسی اپج کی بھی غماز ہے۔ "ہماری بات" میں آپ سب کی بات کہہ جاتے ہیں۔ کتابیں ماضی کا اثاثہ، حال کا سرمایہ اور مستقبل کی اساس ہیں۔ اردو والوں کے لیے ماضی تو گل و بلبل کی نذر ہوگیا اب حال کا سرمایہ چاہیے، وہ آپ پیش کرنے کی سعی مسلسل کر رہے ہیں اور یہی مستقبل کا اثاثہ ہوگا۔ تمام اردو مدارس، اردو کالجوں اور اردو شعبوں کو اس رسالے کا خریدار بننا چاہیے۔ آج کے اردو رسالے صرف تجاویز پیش کر سکتے ہیں مگر آپ اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اردو والے اگر آپ کا ساتھ دیں تو اردو کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔

■ رفتار گھوناتھ پوری، رفتا بھون، چوڑا رگھوناتھ پور، سیکٹر 22، نوئیڈا

"اردو دنیا" اکثر و بیشتر میرے زیر مطالعہ آیا ہے۔ ماہ اکتوبر 2002 کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ اس میں ایک مضمون ہے "اردو میں عربی و فارسی طبی کتب کے تراجم" یہ مضمون طبی اعتبار سے کافی معلوماتی ہے اور طب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے رہنما بھی۔ اس مضمون کی سرخی میں لفظ طبی،

ط' پر زیر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے اگر "طبی" بغیر زیر کے لکھا جائے تو صحیح نہیں پڑھا جاسکے گا۔ بعض افراد کہتے ہیں کہ اضافت کے لیے زیر لگانا ضروری ہے لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بھی قیاس سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ کیا پڑھنا چاہیے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نئے پڑھنے والے کو دقت ہوتی ہے تو صاحب میرا کہنا ہے کہ ہر نئی چیز کو سیکھنے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے، اردو میں ہی ایسی کون سی مشکل بات ہے۔ حرکات لگاکر ایک طرح سے اردو کو مشکل بنایا جارہا ہے، جبکہ آسانی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کا ادارہ پورے ہندستان کے لیے محترم اور معظم ادارہ ہے اور آپ کا یہ رسالہ بیشتر انسٹی ٹیوٹ میں بھی جاتا ہے اور طلبہ اس کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ جو کچھ بھی لکھا جائے، اس قدر ستھرا اور واضح لکھا جائے کہ پڑھنے والے کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔[1] اردو کی خوبصورتی نستعلیق سے ہی ہے اور اس میں زیر زبر کا استعمال اچھا نہیں لگتا۔

(1) بعض الفاظ پر اعراب اسی مقصد سے لگائے جاتے ہیں۔

■ رضوان خان، سکریٹری بزم اردو، شیخ سرائے، سیتاپور

اکتوبر 2002 کا "اردو دنیا" موصول ہوا۔ اداریہ نہایت فکر انگیز ہے۔ یہ بات افسوسناک ہونے کے علاوہ تشویشناک بھی ہے کہ so-called ترقی یافتہ طبقے کے نوجوان طلبہ و طالبات تحریکِ آزادیِ ہند اور اس کے رہنماؤں سے واقف نہیں۔ بعض سوالات کے جوابات سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ طلبہ تحریکِ آزادی سے وابستہ لیڈروں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں سے اچھے شہری بننے کی امید کی جائے؟ اداریے کے آخری پیراگراف میں آپ نے جو امید ظاہر کی ہے، اُس سے اتفاق کرتے ہوئے میں اتنا ہی عرض کروں گا کہ اُمید کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے کوششیں کرنا بھی ضروری ہے۔

دلّی میں اُردو آبادی پر لکھا گیا مضمون بھی پسند آیا اور اُمید افزا بھی لگا کہ اُردو کا سورج مزید آب و تاب سے چمکنے کی کوشش کررہا ہے۔ لیکن مسلم آبادی میں اضافے کی شرح کے لحاظ سے اُردو آبادی میں اضافہ کم ہوا ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے اقدامات کا عمل میں آنا نہایت ضروری ہے۔

■ غلام حسنین ناگپوری، تکیہ دیوان شاہ، مومن پورہ، ناگپور-18

"آپ کی بات" کو "ہماری بات" پر اولیت دینا قابلِ تحسین قدم ہے جس سے یہ باور ہوتا ہے کہ "لوگوں کی آرا" اہمیت کا مقام رکھتی ہیں۔ عصرِ جدید میں کون کس کے مشورے کا مقام فراہم کرتا ہے لیکن اردو دنیا کو بلند مقام تک پہنچانے میں "آپ کی بات" کا وہی رول ہے جو دال میں نمک کا ہوتا ہے۔ مختلف الخیال افراد کی انجمن کا نام "آپ کی بات" ہے۔ "تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم" سیر حاصل بحث ہے جس کے لیے نثار احمد فاروقی قابلِ مبارک باد ہیں۔

■ سید نصیر الدین، معرفت ایس. جی. محی الدین، نیوز ایجنٹ، بیڑ-431122 (مہاراشٹر)

آپ کے موقر جریدے "اردو دنیا" ماہ اکتوبر 2002 کے شمارے میں گیسٹ کالم کے تحت محترمہ ارجمند آرا کا ترجمہ "ہندستان میں اردو" کا جواب نہیں۔ مضمون کے اختتام پر طویل حواشی اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مضمون کی ترتیب و تزئین کے لیے کافی عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی۔

امید کہ آئندہ بھی اہمیت کے حامل اہم معلوماتی مضامین "اردو دنیا" کے صفحات کی زینت بنتے رہیں گے۔

■ ڈاکٹر لطیف سبحانی، 75 مہاراشٹرا ہیک بورڈ کالونی، شاہ بازار، اورنگ آباد-431001

"اردو دنیا" ہر ماہ پابندی سے موصول ہوتا رہتا ہے۔ یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے جس کا مزاج، مذاق اور معیار دیگر ادبی رسائل سے بالکل جداگانہ ہے اور جدید عہد کمپیوٹر سے ہم آہنگ ہے۔ اس نے بدلتے ہوئے وقت اور زمانے کے رجحانات کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ یہ ایک دلچسپ معلوماتی رنگارنگ گلدستہ ہے جس کے لیے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

■ عبدالعزیز رحمانی، محلہ پورہ رانی، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی-276404

میں "اردو دنیا" کا مستقل قاری ہوں۔ اپنے مشمولات کے اعتبار سے یہ معیاری پرچہ منفرد ہے اور افادیت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے بہ شمول مرد و زن سب کے لیے یکساں ہے۔ اس میں بیشتر وہ چیزیں شامل رہتی ہیں جو اس جدید دور میں ایک انسان کے مطالعے اور علم میں رہنا از حد ضروری ہیں۔ اس کے پڑھنے سے جہاں کاروانِ اردو کی پیش رفت معلوم ہوتی ہے، وہیں اس کے پیچھے رہ جانے کے اسباب و عوامل کا پتہ بھی چلتا ہے۔

بازار میں بہت سارے پرچے دستیاب تو ہیں لیکن "اردو دنیا" کے پیچھے جو مقصد، لگن اور خلوص کارفرما ہے، وہ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور مانگ میں برابر اضافے سے عیاں ہے۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت اور خلا کو پورا کررہا ہے۔

□□□

ہماری بات

جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کی تنظیم (Association of South East Asian Nations-ASEAN) اور ہندستان کے تعلقات کو مستحکم کرنے کے حوالے سے، گذشتہ ماہ 5/ نومبر کو کمبوڈیا کی راجدھانی نوم پنھ میں منعقدہ پہلی ایسیان انڈیا چوٹی کانفرنس میں وزیر اعظم جناب اٹل بہاری واجپائی نے ہندستان اور دس ممالک کی رکنیت پر مشتمل ایسیان کے درمیان آزاد تجارتی تعلقات قائم کرنے کی تجویز پیش کر کے دراصل عالمی پیمانے پر ہندستان کو ایک نئے تجارتی دور میں داخل کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر اس سلسلے میں مذاکرات آگے بڑھتے ہیں اور آزاد تجارت کے کسی معاہدے پر دستخط ہوتے ہیں تو کسی فوری اقتصادی تبدیلی کے آثار تو نہیں ہیں لیکن یہ قدم اپنے آپ میں اتنا اہم ہوگا کہ تمام ایشیا خصوصاً شمال مشرقی اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ساتھ ہندستان کے تجارتی اور خارجی تعلقات متاثر ہوں گے۔ ویسے بھی علاقائی ممالک کی تجارتی تنظیمیں جتنی تیزی سے اپنا دائرۂ اثر وسیع کر رہی ہیں اور عالمی تجارت میں کثیر قومی تعلقات کے ایک مضبوط نعم البدل کے طور پر سامنے آرہی ہیں، اس نے ایشیائی ممالک کو آپسی تعلقات کو مضبوط کرنے کی جانب راغب کر دیا ہے۔ ایسیان کے ساتھ چین اور جاپان نے پہلے ہی آزاد تجارت کے معاہدے کر لیے ہیں۔ چنانچہ ہندستان کے لیے بھی یہ بالکل مناسب وقت ہے کہ وہ جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے رول کو مستحکم کرنے اور اقتصادی توازن کے لیے ان ممالک کے ساتھ اپنے تجارتی روابط کو مضبوط اور متوازن اصولوں پر استوار کرنے کی کوشش کرے۔

جنوبی ایشیا میں ابھی تک اس طرح کا کوئی تجارتی بلاک قائم نہیں ہو سکا ہے جس طرح کہ یوروپین یونین نے قائم کیا ہے۔ سارک ممالک کے ساتھ آزاد تجارتی تعلقات قائم نہ ہونے کے پس پشت کئی سیاسی اور خارجی اسباب ہو سکتے ہیں لیکن ایسیان کے ساتھ اگر آزاد تجارتی تعلقات قائم نہیں ہوتے ہیں تو ہندستانی ایکسپورٹ کے خسارے میں رہنے کا خدشہ ہے۔

ایسیان کی اقتصادیات گو کہ 98-1997 میں بحران کا شکار ہوئی تھی لیکن اس پر تقریباً قابو پالیا گیا۔ اسی لیے ایسیان نے چین کے ساتھ معاہدہ کر کے 1.7 بلین کے بازار کو تجارتی تعلقات کے لیے کھول دیا ہے۔ چین اور جاپان کے بعد ہندستان تیسرا ملک ہے جس کے ساتھ معاہدے کے امکانات ہیں۔ ہندستان کی اہمیت کا اقرار کرتے ہوئے سنگاپور کے وزیر اعظم جناب گوہ کوک ٹونگ نے اس علاقائی تنظیم کو ایک بڑے جمبو جیٹ سے تعبیر کیا ہے جس کا ایک بازو اگر شمال ایشیائی ممالک (جاپان، ساؤتھ کوریا اور چین) ہیں تو جنوبی بازو یعنی ہندستان کی شمولیت کے بغیر اس جمبو جیٹ کا توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہندستان کی شمولیت سے اب یہ جیٹ ہر طرح کے موسم میں اڑنے کے لیے تیار ہے۔

لیکن اس سمت میں آگے بڑھنے میں ہندستان کو کئی طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثلاً ہندستان اور ایسیان کی اہم اقتصادی طاقتوں کے درمیان درآمد و برآمد کے محصول نامے کی شرحوں میں بہت فرق ہے۔ ہندستان میں کسٹمز ڈیوٹی ایسیان کے مقابلے میں دوگنی اور تین گنی تک ہے، اس لیے سب سے پہلے آزاد تجارت کا معاہدہ کرنے کے لیے، شرحوں کو مناسب کرنا ہوگا۔ ایسیان کے اہم اور بڑے تجارتی ممالک میں سنگاپور، ملیشیا، تھائی لینڈ اور انڈونیشیا شامل ہیں، ان کا ایکسپورٹ سیکٹر کئی میدانوں میں ہندستان سے آگے ہے، اس لیے ان کے ساتھ آزاد تجارت کا معاہدہ کرتے ہوئے ہندستان کو اپنے ایکسپورٹرز کے مفادات کا پورا خیال رکھنا ہوگا۔ دوسری جانب ایسیان کے کمزور ارکان مثلاً کمبوڈیا، لاؤس، میانمار اور ویت نام وغیرہ کے ساتھ تجارتی تعلقات میں رعایتیں بھی برتنی ہوں گی جن کی جانب ہندستان نے پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔

ماہرین کی رائے یہ ہے کہ اگر ہندستان، ایسیان کے ساتھ آزاد تجارتی خطے کی داغ بیل ڈالتا ہے تو حالات یقیناً بدلیں گے بشرطیکہ علاقائی تعاون کے چند اور اقدام ساتھ کیے جائیں۔ مثلاً سارک ممالک اور دوسرے پڑوسی ممالک کے ساتھ روابط مضبوط کرنے ہوں گے۔ سری لنکا اور بنگلہ دیش کے ساتھ تجارتی تعلقات کو بھی آزاد تجارت کے اصول کی جانب تیزی سے بڑھانا ہوگا اور ان کے ساتھ قریبی اقتصادی تعلقات قائم کرنے ہوں گے، ان تمام محاذوں پر ابھی تک کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ ہندستان اور تمام جنوبی ایشیا کی ترقی اور اقتصادی مفادات کے پیش نظر یہ اقدامات ضروری ہیں تبھی ہندستان کی معیشت کثیر رخی ترقی کر سکتی ہے اور ایشیا اور بحر ہند کے علاقے سے وابستہ ممالک کے درمیان باہمی تعاون کا مستحکم نیٹ ورک قائم ہو سکتا ہے۔

□□□

مرلی منوہر جوشی

مہمان اداریہ

ایک آئس کریم روزانہ

1995 میں United Nations Framework Convention on Climate Change (UNFCCC) کی تشکیل کے ساتھ ہی موسمیاتی تبدیلی (Climate Change) کے بندوبست کے لیے مذاکراتی عمل شروع ہو گیا تھا۔ پارٹی کی کانفرنس (COP) موسمیات سے متعلق مسائل پر مذکرات منعقد کرنے اور ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مختلف ممالک سے اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کرنے والی UNFCCC کی سب سے بڑی تنظیم ہے۔ پارٹی کی آٹھویں کانفرنس کی میزبانی نئی دہلی کو کرنی ہے، جس میں پوری دنیا کے نمائندے اور مفاداتی گروپ شرکت کریں گے اور مذاکرات کا رخ اپنے مفاد کی جانب موڑنے کی کوشش کریں گے۔

ان تمام COPs کا ایجنڈا بہت قبل ہی طے ہو گیا تھا، جب سے ہم نے بے تحاشہ بڑھتی ہوئی انسانی ضرورتیں پوری کرنے اور ناقابل برقرار (Unsustainable) تکنیکی و معاشی (Techno-economic) خوابوں کی تکمیل کے لیے قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال شروع کیا۔ تکنیکی و معاشی نمو کے ماڈل، سائنس اور تکنیک کے شکستہ طرز فکر کا نتیجہ ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ٹکنالوجی انسان اور ماحولیاتی نظام، ماحولیاتی نظام اور کرۂ ارض، اور کرۂ ارض اور کائنات کی غیر منقسم کلیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اس حقیقت کا اظہار بھی پریشانی کا باعث ہے کہ تکنیکی و معاشی نمو کے ہمارے موجودہ ماڈل، انسان اور اس کے ماحولیاتی نظام کے درمیان عدم توازن پیدا کر رہے ہیں جو موسمیاتی تبدیلی کے مختلف مظاہر میں سے ایک ہے۔ موسمیاتی تبدیلی پر بین الحکومتی پینل IPCC (Inter-Governmental Panel on Climate Change) کی رپورٹ کے نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کرۂ ارض کے موسمیاتی نظام میں قبل صنعتی دور سے موجودہ عہد تک علاقائی اور عالمی دونوں سطحوں پر تبدیلی رونما ہوئی ہے، جن میں سے بعض تبدیلیاں انسانی مداخلت کا نتیجہ ہیں۔

انسانی عمل (Human Activity) کی وجہ سے اخراج شدہ گرین ہاؤس گیسوں اور ایروسول (Aerosols) کے جماؤ کی وجہ سے کرۂ باد کی ترکیب میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے اور یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ آب و ہوا کو بھی متاثر کریں گے۔ مشاہداتی جماعتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد عالمی حرارت کاری اور دوسرے خطرناک تغیرات کی اجتماعی تصویر فراہم کر رہی ہے جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ شاید ان میں زیادہ تر تبدیلیوں کی وجہ گرین ہاؤس گیسوں کا جماؤ ہے۔ یہ قیاس لگایا گیا ہے کہ عالمی پیمانے پر اوسط سطح درجہ حرارت میں $1.4^{0}c$ سے $5.80^{0}c$ تک کا اضافہ ہو سکتا ہے، جو پچھلے 100 سال کی درج شدہ حرارت کاری سے 10 گنا زیادہ ہے۔

ان تبدیلیوں کے متعدد خطرناک نتائج سامنے آئے۔ اس امر کے ثبوت ملے ہیں کہ حالیہ دنوں میں علاقائی سطح پر موسمیاتی تبدیلی، خاص طور پر درجہ حرارت میں اضافے کے باعث، دنیا کے مختلف علاقوں کے طبعی اور حیاتیاتی نظام متاثر ہوئے ہیں۔ جن میں گلیشیر کا سکڑنا، پرمافراسٹ کا پگھلنا، ندیوں اور جھیلوں پر برف کا جلد پگھلنا اور دیر سے جمنا، وسطی سے اعلا عرض البلد تک کے موسم کا طویل ہونا اور حشرات الارض کا وجود میں آنا شامل ہیں۔ متعدد قدرتی نظاموں، خاص طور پر گلیشیر، مرجانی سنگستان (Coral reefs)، مین گرو، ٹراپکی جنگلات، قطبی اور آلپن ماحولیاتی نظام، نم علاقے اور دیسی گھاس کے میدان، کے وجود کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہے۔

زرعی پیداوار میں تیزی سے گراوٹ کی وجہ سے غذائی سیکورٹی کی تقلیل کے ساتھ ساتھ ایک بڑی آبادی کی آمدنی کم ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ فاقہ کشی کا شکار ہو جائے گی۔ سطح سمندر میں اچھال (Rise) اور ٹراپکی سائیکلون کی شدت میں اضافے کے باعث معتدل (Temperate) اور ٹراپکی ایشیا کے نچلے ساحلی علاقوں کے ایک کروڑ لوگ بے گھر ہو جائیں گے۔ اس کی وجہ سے افریقی پودوں اور جانوروں کی ایک بڑی نسل کے تباہ ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے جس کی وجہ سے دیہی روزگار، سیاحت اور جینی (Genetic) وسائل متاثر ہوں گے۔

IPCC کی رپورٹ کے مطابق، مجوزہ موسمیاتی تبدیلی ارضی نظام میں ایسی تبدیلیوں کا مرتکب ہو سکتی ہے جن کی بازیافت ناممکن ہو جائے گی۔ اس رپورٹ سے قدرت اور سماجی و معاشی ماحول پر انسانی عمل کے اثرات ڈرامائی طور پر واضح ہو جاتے ہیں اور اس مسئلے کے فوری حل کی اہمیت پر زور

دیتے ہیں۔

جوہانس برگ میں حال ہی میں ہوئے برقراری ترقی کی چوٹی کانفرنس میں ایک ایسے منصوبہ عمل پر زور دیا گیا جس پر درآمد عمل کرکے 2015 تک خطِ غربت (ایک ڈالر روزانہ) سے نیچے زندگی بسر کرنے والی آبادی کی تعداد آدھی کی جاسکتی ہے۔ خاص طور پر وہ آبادی، جہاں صفائی اور پینے کا صاف پانی مہیا نہیں ہے۔ کانفرنس نے ترقی یافتہ ممالک سے اضافی فنڈ کی فراہمی کا مطالبہ کیا جب کہ ترقی پذیر ممالک نے ملی معاہدے کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر طے شدہ اپنے GDP کا 0.7 فیصد حصہ بھی دینا گوارا نہیں کیا۔ کانفرنس میں ان ممالک سے نشانے کی رقم کی فراہمی کے لیے توجہ دینے کی محض گذارش ہی کی جاسکی۔

جوہانس برگ چوٹی کانفرنس کی ایک حیرت انگیز خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس سے لفظ "ماحول" (Environment) غائب تھا۔ یہاں زیادہ تر وقت غربت، فاقہ کشی، صفائی، خشک سالی اور سیلاب کی صورت حال پر تبادلہ خیال میں صرف ہوا۔ اہم مسائل سے بے رخی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی صدر کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے اور امریکی انڈر سکریٹری آف اسٹیٹ نے ایک افسوس ناک بیان جاری کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کیوٹو پروٹوکول غیر منصفانہ اور ناقابل عمل ہے اور یہ کہ امریکہ کا ایک قومی پلان ہے "جو ہم سمجھتے ہیں کہ ماحولی مقاصد اور معاشی مقاصد کے درمیان توازن قائم رکھتا ہے"۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان خرچ کے فرق کو اس حقیقت سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ اگر صنعتی ممالک صرف ایک پنی (Penny) فی 10 ڈالر الگ کرلیں تو اس سے 25 ارب ڈالر کی رقم جمع ہو جائے گی۔ جس سے ہر سال 80 لاکھ سے ایک کروڑ لوگوں کی زندگیاں بچائی جاسکتی ہیں۔ UNDP کی ترقیِ انسانی رپورٹ کے مطابق یورپین یونین آئس کریم پر ہر سال 11 ارب ڈالر کی رقم صرف کرتی ہے جس کو "سبھی کے لیے صفائی اور حفظانِ صحت" (WASH) پروگرام کے مد میں جزوی طور پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن امریکہ کے موسمیاتی تبدیلی پر بحث اور معاہدے پر دستخط سے انکار نے کانفرنس کو بہت نقصان پہنچایا۔

اگر امریکی شراکت سے اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا ہے تو توانائی کے بے دریغ استعمال سے ہوئے نقصان کی بھرپائی کی جاسکتی ہے۔ امریکہ کی معیشت دس ٹریلین ڈالر پر مبنی ہے، اگر یہ توانائی کے بے حساب استعمال میں تخفیف سے انکار کرتا ہے تو یہ دوسرے اخراج (emissions) اور فاضل مادوں (effluents) کے ساتھ اس کرۂ ارض پر زندگی کو خطرے میں ڈال دے گا اور جہاں تک موسمیاتی تبدیلی کا سوال ہے تو اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ انسانی عمل کی وجہ سے اخراج شدہ گرین ہاؤس گیسیں ہی بنیادی طور پر اس ضمن میں ذمے دار ہیں۔ اگر اس اخراج کو روک دیا گیا، یا اس میں تخفیف کی جا سکی تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ موجودہ بین الاقوامی پروٹوکول کا یہ بنیادی نکتہ ہے لیکن یہ محدود کوشش بھی ایک ہموار اتفاق رائے حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہم کیوٹو پروٹوکول کی موجودہ صورت حال اور ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے اختلافات اور خود ترقی پذیر ممالک کے شدید آپسی اختلافات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم موجودہ تکنیکی و معاشی عالمی طرزِ نظر میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ ہم مسئلے کی کلیت کے بجائے اس کو مختلف حصوں میں دیکھتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ ایک ایک کر کے ہم پورے مسئلے کو حل کر لیں گے۔ یہ پوری طرح غلط اور سائنسی اعتبار سے ناقابل دفاع سوچ ہے۔

ایسی صورت میں جہاں صارف کی پسند و ناپسند کو بلاچوں وچرا ایک قدر کی حیثیت عطا کر دی گئی ہے وہاں استحکام کی جانب ٹیکنوکریٹک (technocratic) اور معاشیاتی طرزِ نظر سے پرے جانا ناممکن ہے۔ عالم کاری میں صَرف اور پیداوار کو برقراریت کے اقدار سے ہم آہنگ کرنا بہت ضروری ہے، ورنہ ہمارے ماحولیاتی، سماجی، معاشی، تہذیبی اور اخلاقی وسائل میں غیر معمولی کمی کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس کے لیے ہمیں کئی سطحوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

COP میں ایک ٹکنولوجیکل نمونے کا برقراری صرف Sustainable Consumption کے نمونے کی جانب شفٹ ہوتا بے حد اہم ہے۔ اپنے ابتدائی مذاکرات میں COP نے استعداد بڑھانے کے لیے ایک خاکہ تیار کیا تھا۔ 2003 میں COP-9 میں اس خاکے پر نظرثانی کی جائے گی۔ تکنیک کے تبادلے کے لیے ایک الگ خاکہ تیار کیا گیا ہے جس میں استعمال کی جانے والی مختلف چیزوں کے علاوہ ایکسپرٹ کریڈٹ ایجنسی (Expert Credit Agency) کے ذریعے تکنیک کے تبادلے کے لیے تمام پارٹیاں ایک سازگار ماحول بنانے پر رضامند ہیں۔ COP کا یہ خاکہ سائنس اور تکنیک کو ایک نئی سمت عطا کرے گا جو ہمارے برقراری صرف کے لیے راہ ہموار کرے گا۔ (بشکریہ ہندستان ٹائمز 23 ر اکتوبر 2002)

مترجم: شفیق عالم

214, Brahmputra Hostel, JNU, New Delhi-67

□□□

اے. کے. گھوش

تعلیمی نظام میں اساتذہ کا رول

1967 میں "اوبزرور" (Observer) میگزین نے لندن کے سیکنڈری اسکول کے لیے ایک تعلیمی مقابلے کا انعقاد کیا تھا، جس میں "The Shcool I'd like" (مجھ کو کیسا اسکول پسند ہے) کی وضاحت طلب کی گئی تھی۔ 1969 میں پنگوئن میگزین نے اس مقابلے کے جوابات کا مجموعہ شائع کیا۔ بیشتر جوابات میں اساتذہ کے تعلق سے یہ بات کہی گئی تھی کہ وہ سنگدل، سخت گیر، کم آمیز، تنگ نظر اور انسان دوستی سے دور ہوتے ہیں۔

حالانکہ ارسطو کا خیال ہے کہ معیاری زندگی کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے اور کچھ ایسا ہی افلاطون کا بھی خیال ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے معیاری تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر زندگی کو معیاری، اور لوگوں کو بہتر بنانے کے لیے تعلیم ضروری ہے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے معیاری اساتذہ بھی اتنے ہی ضروری ہیں۔

ایک مرتبہ نہرو جی نے کہا تھا کہ کسی بھی ملک کے انسانی وسائل و ذرائع کی تربیت گاہ اس ملک کے کلاس روم ہوتے ہیں، کیوں کہ استاد کی حیثیت ایک ہنر مند مستری، انجینئر، مالی یا آرٹسٹ کی ہوتی ہے، جس کا کمال اس کے علمی پیکر، تعلیمی حصولیابی، معلومات عامہ، طویل مدتی تجربہ، بالغ النظری اور عقل مندی میں پنہاں ہوتا ہے۔

چنانچہ پرانے زمانے کے تعلیمی نظام میں اکثر ایک گرو کا تذکرہ ملتا ہے جو ایک عام آدمی سے نہ صرف بلند بلکہ روحانیت سے بھی منور ہوتا تھا۔

مہابھارت میں آرونی اور دھمیا کا تذکرہ ہے، آرونی ایک ہونہار اور فرماں بردار شاگرد ہے۔ اس کو اس کے گرو "دھمیا" جنگل میں برسات کی رات میں گوشہ نشینی کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کے لیے بھیجتے ہیں، لیکن جب آرونی جنگل پہنچا، تو اس نے دیکھا کہ ندی کے پل اور باندھ کے درمیان ایک شگاف پڑ گیا ہے اور اگر اس شگاف کو بند نہ کیا گیا تو علاقے کی ساری فصل تباہ ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ اسی شگاف پر لیٹ گیا اور اس وقت تک لیٹا رہا جب تک کہ اس کے گرو اور دوسرے لوگ اس کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ نہ گئے۔

گرچہ آرونی پہلے ہی سے الہامی کتابوں کا عالم بن چکا تھا لیکن اس واقعے کے بعد ہی گرو نے اسے یہ سند دی کہ اب تمھاری تعلیم مکمل ہو گئی ہے۔ یہ واقعہ کسی مشن کی تکمیل کے لیے صرف روحانی ثابت قدمی کو ہی ظاہر نہیں کرتا ہے، بلکہ اس سے اچھے کاموں کے لیے اس کے جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے جذبے کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

نیرد سی چودھری نے اپنی حالیہ کتاب Three Horsemen of the New Apocalypse میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ گھر اور اسکول کے بیچ کا رشتہ بالکل تباہ ہو گیا ہے۔ اس کی جگہ، گھر سے اسکول تک ایک رسہ کشی کے ماحول نے لے لی ہے۔ آج کل اسکولوں کے زیادہ تر اساتذہ تعلیم میں خاندان کے رول کی نفی کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ایکلویہ اپنے گرو کے احکام کی تکمیل کرتے کرتے اندھے ہو گئے تھے۔ بیل نے رُچی کو خود غرض اندرا سے بچانے کے لیے اس میں اپنی روحانی طاقت ڈال دی تھی۔

اربندو کے مطابق تعلیم کی حقیقی بنیاد انسانی دماغ کا مطالعہ ہے، تاکہ استاد، شاگرد کو اس کی سمجھ اور عقل کے مطابق علم دے سکے۔ چنانچہ "گرو کل" نظامِ تعلیم میں اس کا خاص خیال رکھا گیا تھا، لیکن جب "گرو کل" نظامِ تعلیم ختم ہوا اور یورپین سائنٹیفک نظامِ تعلیم کا وجود ہوا، تو رابندر ناتھ ٹیگور نے وشو بھارتی نام کی یونی ورسٹی کی بنیاد ڈالی۔ ان کا مقصد تھا کہ یوروپی نظامِ تعلیم اور ہندستانی گرو کل نظامِ تعلیم کے درمیان کی دوری کو ختم کیا جائے کیوں کہ یوروپی نظامِ تعلیم کی مادّی سوچ ہندستان کے ان اقدار پر حاوی ہونے لگی تھی جو انسانی ذہن و روح کو جلا بخشتے ہیں اور اسے درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں۔

میتھیو آرنلڈ اور جان اسٹیورٹ مل کا خیال تھا کہ تعلیم معاشرے کے اقتصادی فروغ کے مقابلے میں معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں زیادہ اہم رول ادا کرتی ہے۔ لیکن آج کے دور میں تیزی سے بڑھتی ہوئی تجارت و صنعت کاری کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی اقتصادی فروغ اور سرمایہ کاری کا ذریعہ بن گئی جس کی وجہ سے استاد و شاگرد کے درمیان باپ بیٹے والا رشتہ ختم ہو گیا۔

آج تعلیم ایک بزنس، یا سامانِ تجارت بن چکی ہے جس کے لیے تعلیمی عمارتیں قائم کی جاتی ہیں، جہاں طلبہ کے داخلے ہوتے ہیں، اساتذہ کی تقرری ہوتی ہے، انتظامیہ کا تعین کیا جاتا ہے اور سرکاری امداد وصول کی جاتی ہے۔ اس طرح استاد و شاگرد کے درمیان جو ایک فرد کا تعلق تھا، ختم ہو گیا اور

اجتماعی رول بڑھتا گیا۔

بہر حال سچائی یہی ہے کہ ایک استاد کا کام صرف یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ اس نے طلبہ کو کچھ حقائق سے آگاہ کر دیا، یا مشینی انداز میں لیکچر دے دیا، بلکہ تعلیم کا مقصد طلبہ کو بحیثیت فرد پروان چڑھانا، اور ان کے اندر ذاتی فکر پیدا کرنا ہے۔ یہیں پر استاد و شاگرد کے رشتے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ کیوں کہ استاد، شاگرد کے لیے صرف ایک سہارے کی لکڑی نہیں ہے جس سے پودے چٹ کر پروان چڑھتے ہیں۔ بلکہ استاد کی حیثیت ایک ایسے مالی کی ہے، جو پودوں کو پانی دیتا ہے اور ان کی نگہداشت کرتا ہے۔

ایک اچھا استاد وہ مانا جاتا ہے جو اپنے شاگردوں کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق پڑھاتا ہے، کیوں کہ طلبہ اپنی تعلیمی کامیابی کے لیے استاد پر اتنے ہی منحصر ہیں جتنا کہ اپنی زندگی گزارنے کے لیے اپنے والدین پر، جس کی بنیادی وجہ اساتذہ و طلبہ کی شخصیات کے درمیان پایا جانے والا فرق ہے؛ کیوں کہ جہاں طلبہ ترقی پذیر شخصیات کے مالک ہوتے ہیں، وہیں اساتذہ کی شخصیات ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔

اسی لیے ایک اچھا استاد اپنے طلبہ کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اور اگر سچ کہا جائے تو اس کی حیثیت طلبہ کے لیے ایک دوست، ایک عالم اور ایک رہنما کی ہوتی ہے۔ سقراط اپنے شاگردوں سے اکثر سوالات پوچھتا تھا اور اکثر ان کے جوابات بھی خود ہی دیتا تھا، کیوں کہ جب استاد سوال کرتا ہے تو شاگرد سوچنے پر مجبور ہوتا ہے جس کے مثبت نتائج بر آمد ہوتے ہیں اور طلبہ کے ذہن و دماغ کی گرہیں کھلتی ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے آج کے دور میں اساتذہ یہ سمجھ ہی نہیں پائے ہیں کہ طلبہ کا بھی اپنا ذہن ہے، اور ان میں بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے، نتیجتاً بیشتر اوقات اساتذہ اپنی علمی تمکنت میں طلبہ کی رائے کو یکسر خارج کر دیتے ہیں۔ یا ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، حالانکہ انھیں سوچنا چاہیے کہ طلبہ کی رائے بھی کئی بار غور و فکر کی نئی راہیں کھول دیتی ہے کیوں کہ تدریس کے عمل کے ساتھ ساتھ درس کا عمل بھی چلتا رہتا ہے۔

اکثر اساتذہ کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ طلبہ محنتی نہیں ہیں، اسباق میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں یا آج کا تعلیمی نظام امتحانات پر منحصر ہے جس میں استاد کو ایک متعینہ مدت میں تعلیمی نصاب مکمل کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا استاد کے پاس طلبہ میں دلچسپی و لگن پیدا کرنے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے۔ لیکن اساتذہ کو طلبہ میں لکھنے پڑھنے سے دلچسپی و لگن پیدا کرنے کے عمل کو ایک چیلنج کی طرح لینا چاہیے۔

برنارڈ شا نے بجا کہا تھا کہ ہم میں سے جو بہتر ہوں گے وہ استاد بنیں گے اور باقی جہاں جانا چاہیں جائیں۔ (بشکریہ اسٹیٹس مین، 17/جون 2002)

◻◻◻

مترجم: محمد علیم
Room No. 275, Tapti Hostel, J.N.U., New Delhi-67

دیوناگری اور تصویروں کی مدد سے اردو سکھانے والی کتاب

اردو تصویری لغت مع ہندی

جدید طریقوں سے تیار کردہ کتاب۔ اردو سیکھنے کے شائق حضرات کے لیے نہایت عمدہ تحفہ۔ تصاویر اور ہندی کی مدد سے اردو خود بخود سیکھی جاسکتی ہے۔ یہ اپنی طرز کی بالکل اچھوتی کتاب ہے۔ بہترین کتابت اور آفسیٹ کی طباعت کے ساتھ۔

سائز: 23x38/8 صفحات: 252 قیمت: -/30 روپے

کتب فروشوں اور کتب خانوں کے لیے اسپیشل کمیشن، آرڈر فوراً ارسال کریں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک۔1، ونگ6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

محمد حسن فاروقی

درس و تدریس کے عصری تقاضے

ہندستان پر انگریزی تسلط سے پہلے گھر، مدارس اور خانقاہیں تعلیم کے مراکز تھے۔ اپنے دور اقتدار میں انگریزوں کو اس ملک کا نظام حکومت چلانے کے لیے پڑھے لکھے ہندستانیوں کی ضرورت پیش آئی۔ اس ضرورت کے تحت انھوں نے ملک میں عصری علوم کے بے شمار اسکول قائم کیے۔ آزادی کے بعد اسکولوں کی تعداد میں بڑی تیز رفتاری سے اضافہ ہوتا گیا اور پورے ملک میں اسکولوں کا جال پھیل گیا لیکن درس و تدریس کے طریقوں میں کوئی واضح فرق نہ آیا۔

اب حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی آرہی ہے۔ تعلیم کا شعبہ بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا ہے۔ خصوصاً درس و تدریس کے طریقوں میں ایسا انقلاب آرہا ہے جس کا چند برس پیشتر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ درس و تدریس میں ان تبدیلیوں کی چار اہم وجوہ ہیں۔

1- اطلاعاتی دھماکے Knowledge Explosion کے نتیجے میں معلومات کے اضافے کی بے پناہ رفتار۔

2- اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی بڑھتی ہوئی اہمیت و افادیت۔

3- مختلف پیشوں اور روزمرہ کی زندگی کے کاموں کی بدلتی ہوئی نوعیت۔

4- مختلف خصوصیات اور صلاحیتیں رکھنے والے طلبہ کی شناخت اور ان کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد۔ سہولت کی خاطر تعلیم کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ نصاب، 2۔ اس نصاب کی روشنی میں علم کو درس و تدریس اور دیگر ذرائع سے طلبہ تک پہنچانا، 3- امتحانات۔

آزادی کے بعد ملک میں کئی تعلیمی کمیشن قائم ہوئے اور ان کی سفارشات کی روشنی میں نصاب تبدیل کیا جاتا رہا۔ نصاب کی یہ تبدیلی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی سطح پر ہوتی ہے اور مدارس اس نصاب کے مطابق پڑھانے کے پابند ہوتے ہیں۔

تعلیم کے دوسرے مرحلے میں چوں کہ ہمارا عمل دخل تقریباً مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مرحلہ ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے اور اس کی کارکردگی کو جانچنا اور پرکھنا زیادہ ضروری ہے۔ اِس مقصد کے تحت ذرا اپنے اسکولوں کے تدریسی عمل کا جائزہ لیجیے۔ نظم و ضبط میں بندھے معصوم بچے قطاروں میں بیٹھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے رنگ برنگی تتلیاں ہیں جنھیں پن سے ٹانک دیا گیا ہے۔ بچپن کی خوشیاں ان سے رخصت ہو چکی ہیں۔ روسو نے صحیح کہا تھا کہ "خدا ہر چیز کو اس کی بہترین صورت میں تخلیق کرتا ہے لیکن انسانوں کے ہاتھوں میں آکر وہ زوال پذیر ہو جاتی ہے۔" یہ بات کم از کم پرائمری اسکولوں کے طلبہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

کلاس میں اُستاد علم کا تنہا منبع ہوتا ہے، وہی طے کرتا ہے کہ کتنا پڑھایا جائے۔ طلبہ بھی اتنا ہی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جدید ٹیکنالوجی نے استاد اور طالب علم دونوں کے رول کو بدل دیا ہے۔ کمپیوٹر ایک مثالی ذریعہ ہے جس نے عالمی سطح پر ایک نہایت مضبوط تعلیمی ڈھانچہ کھڑا کر دیا ہے اور طالب علم کمپیوٹر کو حصول علم کے اہم وسیلے (Tool) کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ انٹرنیٹ، طلبہ کو مواد، افراد اور وسائل تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اب طالب علم صرف دوسرے سے علم حاصل کرنے والا ہی نہیں رہا بلکہ اس میں خود آموزی کی صلاحیت بھی پیدا ہو رہی ہے۔ اب درس و تدریس What to learn تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا مقصد learning to learn ہو گیا ہے۔ غرض انفارمیشن ٹیکنالوجی نے طلبہ کے سیکھنے کے عمل کو زیادہ وسیع، معنی خیز اور بار آور بنا دیا ہے۔

اب استاد کے لیے زیادہ اہم یہ ہو گیا ہے کہ وہ طلبہ کو جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنا سکھائے اور طالب علم کو مکمل طور پر خود آموز متعلم (Autonomous learner) بننے میں مدد دے۔ اب استاد کی حیثیت ایک رہنما اور مددگار کی بھی ہو گئی ہے۔ ضروری ہے کہ اساتذہ کو درس و تدریس کے طریقوں میں آنے والی تبدیلیوں سے آگاہ کیا جائے اور انھیں مناسب تربیت دی جائے۔ تاکہ وہ اپنی تدریس کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکیں۔

طلبہ، اساتذہ، تعلیمی اداروں اور تعلیم کے محکموں کی صلاحیت اور کارکردگی طلبہ کے بیرونی امتحانات کے نتائج سے جانچی جاتی ہے لیکن موجودہ دور میں امتحانات کے نتائج پر سوالیہ نشان لگتا جا رہا ہے اور ایک عام آدمی بھی ان نتائج کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ موجودہ پیمائش قدر کے طریقوں میں متعدد خامیاں بھی ہیں۔ کمپیوٹر کے ذریعے کی جانے والی پیمائش قدر نے بڑی حد تک ان خامیوں پر قابو پا لیا ہے۔ کمپیوٹر ہر طالب علم کے لیے علیحدہ علیحدہ آزمائشی پرچے تیار کر سکتا ہے۔ طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کو جانچ سکتا ہے۔ ان کی درجہ بندی کر سکتا ہے اور مسلسل پیمائش قدر کے ذریعے

طلبہ کی تعلیمی ترقی کا تفصیلی ریکارڈ محفوظ رکھ سکتا ہے۔ طلبہ بھی اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر مناسب رفتار سے اکتسابِ علم کر سکتے ہیں اور اپنی تعلیمی کارکردگی سے فوراً واقف ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اب اساتذہ کو پیمائشِ قدر کے نئے تصور، طریقوں اور جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے اُن پر عمل کر سکنے کا اہل بنانا اور انھیں تربیت دینا ضروری ہو گیا ہے۔

اسکول میں مختلف خصوصیات اور صلاحیت رکھنے والے طلبہ زیرِ تعلیم ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کلاس میں بعض بچے بڑے اچھے انداز میں کہانیاں یا سُریلی آواز میں نظمیں سناتے ہیں۔ کوئی بچہ فوری طور پر حساب حل کر لیتا ہے تو کوئی ڈرائنگ اور پینٹنگ میں طاق ہوتا ہے، کوئی خاموش طبع ہے تو کوئی باتونی۔ کوئی قائدانہ صلاحیت رکھتا ہے تو کوئی فرماں برداری کا جذبہ رکھتا ہے۔ کلاس میں جسمانی یا ذہنی طور پر معذور بچے بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے طالب علم بھی جو نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ اچھا استاد اپنی تدریس کے دوران اپنی کلاس کے بچوں کے مختلف طبائع اور صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے اور تمام دشواریوں کو ایک چیلنج کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔ ذرا وسائلِ تعلیم کی کثرت پر غور کیجیے۔ آج کے بیش قیمت وسائلِ تعلیم کو چھوڑ دیجیے۔ تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ)، فلینل بورڈ، نیوز بورڈ، تصویریں، خاکے، فلیش کارڈ، چارٹ، پوسٹر، گراف، حقیقی اشیاء یا اُن کے ماڈل، کھلونے، کٹھ پتلیاں، ریڈیو، سمعی و بصری فیتے، گراموفون ریکارڈ، فلم ٹی وی وغیرہ نہ جانے کتنے وسائلِ تعلیم ہیں جن کی مدد سے تدریس کو موثر اور بامعنی بنایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر وسائلِ تعلیم کلاس روم یا اسکول میں موجود ہوتے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان وسائلِ تعلیم کے استعمال کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

جماعت میں بچے توانائی سے بھرپور، تجسس کا بے پناہ شوق لیے موجود ہوتے ہیں، ان کے ذہنوں میں سوالات کا ہجوم ہوتا ہے، لیکن ان کے علم کے شوق اور جاننے کی خواہش کو بڑھاوا نہیں ملتا۔

ملک اور دنیا کے حالات اور ضرورتوں کے پیشِ نظر تخلیقی صلاحیت (Creativity) ذہانت (Intelligence) اور کمال کا اعلیٰ ترین معیار Excellence ہماری درس و تدریس کی منزلِ مقصود ہونی چاہیے۔ تخلیقی صلاحیت انسانی زندگی کا انمول خزانہ ہے اور تمام نمایاں ایجادات اور کامیابیوں کے پسِ پشت یہی کار فرما ہے۔ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ تخلیقی صلاحیت پر چند منتخب اشخاص کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ یہ بنیادی خدائی عطیہ مختلف درجات میں ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ اب ایسے ذرائع وجود میں آ گئے ہیں جن کے ذریعے اس چھپے ہوئے خزانے کو دریافت کیا جا سکے اور اُسے ترقی دی جا سکے۔ تخلیقی صلاحیتوں کو جلا دینے والی تدریس روایتی طریقے سے مختلف ہوتی ہے۔ اول الذکر طریقۂ تدریس کو اپنانے کا حوصلہ وہی استاد کر سکتا ہے جسے اپنے مضمون پر عبور حاصل ہو اور جو بھرپور تیاری کے ساتھ جماعت میں داخل ہو۔

ذہین طلبہ قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اساتذہ، سرپرست بلکہ پورے معاشرے کی ذمّے داری ہے کہ وہ طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو پہچانیں اور تدریس کے نئے طریقوں، جدید وسائلِ تعلیم اور مختلف ترجیحی پروگراموں کے ذریعے انھیں فروغ دینے کی کوشش کریں۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ موجودہ زمانہ Excellence کا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اُنھی لوگوں کی پذیرائی ہو رہی ہے جو اپنے مخصوص میدان میں کمال کے اعلیٰ ترین مقام پر ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکول کو مختلف سرگرمیوں کا ایسا مرکز ہونا چاہیے جہاں طلبہ کی صلاحیتیں فروغ پائیں۔ اُن کی ذہانت کو جلا ملے، وہ علم کے اعلیٰ معیار کو چھو سکیں۔ ضابطوں کی بے جا جکڑبندیوں اور خوف کے ماحول کے بجائے کھلے ماحول میں اپنی پسند اور میلانِ طبع کے مطابق اکتسابِ علم کریں اور اپنی شخصیت میں نکھار لائیں۔

ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ ہماری درس و تدریس اور اسکول کی تمام سرگرمیاں نیکی، شرافت، تہذیب، شائستگی اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی بنیاد پر استوار ہوں۔ انسانی اقدار سے محروم تعلیم، معاشرے کو بڑی تیزی سے پستی میں لے جائے گی۔

اردو معاشرے کا المیہ ہے کہ ہم نے اپنی ضرورتوں کے پیشِ نظر کوئی تعلیمی منصوبہ بندی نہیں کی۔ ملک میں جاری نظامِ تعلیم کے ایک محدود اور بے لچک حصّے کے دھارے میں بہے جا رہے ہیں۔ نظامِ تعلیم کا وہ حصّہ جو حالات کی تبدیلیوں کا آئینہ اور زندگی کی ضرورتوں کی تکمیل کرنے والا ہے، ہم اس کی طرف سے غافل ہیں۔ صرف شہر ممبئی میں برادرانِ وطن نے Language Development Programme کے تحت ہزارہا آڈیو اور ویڈیو کیسیٹ تیار کیے ہیں اور پورے نصابِ تعلیم کو ان میں سمو دیا ہے۔ ذرا غور کیجیے، ہم نے اردو سافٹ ویئر کے کتنے پیکیج تیار کیے اور انھیں کس حد تک استعمال کیا جا رہا ہے؟ پورے ملک میں انٹرنیٹ کے ذریعے برق رفتاری سے تعلیمی انقلاب آ رہا ہے۔ اگر ان تبدیلیوں سے بے اعتنائی کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمیں کفِ افسوس ملتے ہوئے کہنا پڑے گا ـ

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

□□□

574, Bail Bagh, Maligaon-423203, Nasik (M.S.)

سلیم عالم

برطانیہ میں اسکول سطح کی تعلیم میں اردو کا مقام

"برطانیہ میں جی سی ایس ای لیول تک ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے اور یہ بطور مضمون نو مختلف طریقوں سے پڑھائی جاتی ہے۔ Modern Foreign Languages یا جدید غیر ملکی زبانوں کی تعداد او بائیس ہے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔

عربی، بنگالی، چینی، ڈچ، فرانسیسی، جرمن، گریک (یونانی)، گجراتی، آئرش، اطالوی، جاپانی، جدید لاطینی، ہمبرو، پنجابی، فارسی، پولش، پرتگیزی، روسی، اسپینی، ترکی، اردو اور ویلش۔ برطانوی اسکولوں کے نصاب میں جدید غیر ملکی زبانوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

Core Languages

Optional Languages

کور لینگو یجز: جی سی ایس ای لیول تک انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اسپینی زبانوں کو کور لینگویج کا درجہ حاصل ہے اور یہ برطانیہ کے تقریباً تمام اسکولوں کے نصاب کا لازمی حصہ ہیں جبکہ دوسری تمام زبانیں Optional ہیں اور مقامی طلبہ کی ان میں دلچسپی کے لحاظ سے ان کی تدریس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ان میں ایشیائی زبانوں کی تعداد کل نو ہے۔ ان میں سات ایشیائی زبانیں ایسی ہیں جن کا آغاز یا root بولی اور طرز تحریر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہے۔ مثلاً عربی، ترکی، فارسی اور اردو وغیرہ۔ جبکہ چینی اور جاپانی بھی ایشیائی زبانیں ہیں مگر ان زبانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ یوروپین زبانیں گیارہ ہیں اور ان میں سے کور زبانوں (Core Languages) کو دو یا تین مختلف طریقوں سے پڑھایا جاتا ہے۔ اب اردو زبان کی طرف آتے ہیں۔

1997 تک بھی برطانیہ میں اردو زبان کا مرتبہ کمیونٹی لینگویج کا تھا۔ یعنی طلبہ اس کو اپنی ذاتی دلچسپی یا کسی اور وجہ سے ایک اضافی مضمون کے طور پر لیتے تھے۔ اس کی کلاسیز صرف شام یا ویک اینڈ پر ہوا کرتی تھیں۔ مگر اپنی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ سے 1998 سے یہ زبان جدید غیر ملکی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ یعنی GCSE کا طالب علم اب اس کو بطور ایک مکمل مضمون کے اختیار کر سکتا ہے اور اس مضمون میں کامیاب ہونے پر اسے اتنے ہی پوائنٹس ملیں گے، جتنے کسی اور جدید غیر ملکی زبان کو لینے پر ملتے ہیں۔

Assessment Qualification Alliance (AQA) کے مطابق GCSE لیول تک جدید غیر ملکی زبانوں میں امتحانوں کے اہم مراحل یہ ہیں۔

سننا	یا	Listening
پڑھنا	یا	Reading
بولنا	یا	Speaking
لکھنا	یا	writing

اور آخر میں کورس ورک۔ سننے، پڑھنے، بولنے اور لکھنے کے تین لیول ہیں۔

Foundation Higher Tier, Foundation Tier اور Higher Tier بولنے کے مرحلے پر رول پلے ہوتے ہیں اور یہ اساتذہ اور طلبہ کے درمیان سوال و جواب کے ذریعے طے کیے جاتے ہیں، جس سے گزرنے کے بعد طلبہ کو ایوارڈز دیے جاتے ہیں۔ غور کیجیے تو ان تمام مراحل کا روزمرّہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

اور اب برطانوی اسکولوں میں جدید غیر ملکی زبانوں کو اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

2001 میں اردو زبان کے لیے چھ ہزار چار سو تئیس (6423) طلبہ

Entries and Awards in individual GCSE (Full course syllabus) summer 2001 (Ref: AQA)

Full Course Syllabus	Entries	Grades A*	A	B	C	D	Centres
			(Grades as cumulative % of entries)				
Italian	3918	22.6	48.5	65.4	78.8	87.6	452
Latin B	1712	26.5	55.1	76.1	90.2	96.1	137
Urdu	3190	14.0	27.5	40.7	58.2	76.2	253

نے داخلے کے فارم جمع کروائے جبکہ امتحان میں شریک طلبہ کی اصل تعداد تین ہزار ایک سو نوے تھی۔ نامساعد حالات کے باوجود چودہ فی صد نے A*، ستائیس اعشاریہ پانچ فی صد نے A، چالیس فی صد نے B، اٹھاون اعشاریہ دو فی صد نے C اور چھہتر اعشاریہ دو فی صد نے D گریڈ حاصل کیے۔

یہاں نامساعد حالات سے ہماری مراد، اردو زبان کے اساتذہ کو درپیش مسائل ہیں جن میں تدریسی مواد کی غیر موجودگی، اچھے کمپیوٹر سافٹ ویئر کی کمی اور ٹریننگ کی سہولتوں کا فقدان شامل ہے۔

اور اب ایک نظر پچھلے چند سالوں کے نتائج پر بھی ڈال لیں۔

حوالہ، سالانہ رپورٹ 1998

پانچ برسوں میں مختلف زبانوں میں داخلہ لینے والوں کی تعداد کا تناسب

مضمون / کورس	1995	1996	1997	1998	2001
اٹیلین	3439	3334	3503	3381	3981
لاطین (A+B)	3266	3580	3540	3344	3918
اردو	3336	3420	3214	3011	3190

اس تقابل میں دلچسپ اور حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ان چاروں سالوں میں اطالوی اور لاطینی زبان میں امتحان دینے والے طلبہ کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی کہ اردو زبان کو اپنے پسندیدہ مضمون کے طور پر لینے والے طلبہ کی۔

ایک اور حوصلہ افزا بات، سال 2001 میں بھی اردو زبان کی طالبات لڑکوں سے بازی لے گئیں، یعنی 1801 لڑکیوں نے اس کو اپنے اختیاری مضمون کے طور پر چنا جبکہ طالب علم لڑکوں کی تعداد 1389 تھی۔

AQA GCSE (FULL COURSE) PROVISIONAL AWARDS, MAY/JUNE 2001

Pie Chart I

Subjects	TOTAL	A*	A	B	C	D	E
انگلش	351783	2.9	13.5	35.7	61	79.1	90
فرنچ	77433	1.8	7	15	38.8	58.7	76.5
جرمن	27057	2.3	10.9	23.2	48.4	68.1	83.6

Pie Chart II

Subjects	TOTAL	A*	A	B	C	D	E
اٹیلین	3914	22.6	48.5	65.4	78.9	87.6	94.6
لاطین	1712	26.4	55.1	75.9	90.1	96.1	98
پولش	301	13.3	50.2	71.8	89.7	95.7	99
اردو	3190	14	27.5	40.7	58.2	75.2	87.1

Ms. Saleem Alam
194 West Barnes Lane, New Malden, Surrey KT3 6LS, London

جوابات کوئز :

1- ج 2- د 3- الف 4- ب 5- ج 6- د 7- د 8- ب 9- ج 10- د 11- ج
12- الف 13- ج 14- الف 15- ج 16- ب 17- ج 18- الف 19- ب 20- الف 21- د 22- ب
23- ج 24- ب 25- الف 26- د 27- د 28- الف 29- ب 30- الف 31- د 32- ب 33- الف
34- ب 35- ب 36- الف 37- الف 38- د 39- ب 40- الف 41- ب 42- ب 43- ب 44- الف
45- ب 46- الف 47- د 48- الف 49- ب 50- ب

پروفیسر اقبال محی الدین

اہم جغرافیائی و سائنسی معلومات

2002 کا نیا سال 31ر دسمبر کی رات کو بارہ بج کر ایک سیکنڈ پر شروع ہوا۔ اس طرح یہ نیا سال ایک سیکنڈ چھوٹا ہو گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ دراصل زمین کی اپنے محور پر گردش کرنے کی رفتار کچھ کم ہو گئی جس کی وجہ سے نیشنل فزیکل لیب، نئی دہلی، کو اور دنیا کے دوسرے ٹائم اسٹینڈرڈ لیب کو اس نئے سال کی شروعات پر لیپ سیکنڈ (Leap Second) کی ابتدا کرنی پڑی جس سے یہ نیا سال ایک سیکنڈ دیر سے شروع ہوا۔

یہ اس لیے کرنا پڑا تاکہ اس سلسلے میں عالمی معاہدے کی تکمیل ہو سکے۔ اس ایک سیکنڈ کی تاخیر کا اعلان انٹر نیشنل ارتھ روٹیشن سروس نے کیا تھا۔ عالمی ایٹومک ٹائم اور علم نجوم کے مشاہدات پر مبنی ہونے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ زمین کی اپنے محور پر گردش کرنے کی رفتار کچھ کم ہو گئی جس کی وجہ سے پچھلا سال یعنی 2001 ایک سیکنڈ بڑا ہو گیا اور 2002 کا نیا سال ایک سیکنڈ چھوٹا ہو گیا۔

یہ اس لیے ہوا کہ زمین پر کثیر Celesial، ٹائیڈل (Tidal) اور Frictional Forces کے عمل پیرا ہونے سے اُس کی گردش پر اثر پڑا اور اُس کی گردش میں یکسانیت نہیں رہی۔ اس وجہ سے زمین کی رفتار سست ہو گئی جس کا انکشاف ایٹومک گھڑیوں اور آیون گھڑیوں نے کیا۔ یہ گھڑیاں بالکل صحیح وقت بتاتی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ 'Nano-Seconds' Pico-Seconds اور Fento-Seconds تک وقت بتاتی ہیں، جن کے صحیح ہونے کی ضمانت پچھلے ساٹھ سال سے زیادہ رہی ہے۔

وقت کا صحیح تعین موجودہ زمانے کی ٹیکنالوجی کی بنیاد ہے۔ ایٹومک گھڑیوں کا استعمال خلائی ٹیکنالوجی میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے لیپ سیکنڈ (Leap Second) کی ابتدا کرنی پڑی تاکہ Astronomical Time اور Atomic Time میں کوئی فرق نہ ہونے پائے اور دونوں میں یکسانیت قائم رہے۔

سورج طلوع اور غروب ہوتے وقت سرخ کیوں دکھائی دیتا ہے؟ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس وقت سورج کی شعاعیں ترچھی سمت میں زیادہ دوری طے کرتے ہوئے ہماری آنکھ تک پہنچتی ہیں۔ ان کے راستے میں گردو غبار کے ذرات اور ہوا کے سالمات بہت زیادہ ہوتے ہیں اور شعاعوں کا راستہ کافی گہرا ہو جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے۔ اس مشکل راستے میں سرخ رنگ کے علاوہ باقی سارے رنگ جذب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے سورج طلوع اور غروب ہوتے وقت ہمیں سرخ دکھائی دیتا ہے۔ دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہوتا ہے اس وقت شعاعیں فضا میں کم راستہ طے کر کے ہم تک پہنچتی ہیں۔ فضا میں گردو غبار اور ہوا کے سالمات کم ہونے سے تابانی (Radiation) کم ہوتی ہے اور تقریباً سب ہی رنگوں کی شعاعیں آنکھ تک پہنچتی ہیں، جس سے سورج اُس وقت سفید دکھائی دیتا ہے۔

سطح سمندر پر کھیتی

سطح سمندر پر امریکہ اور جاپان نے کھیتی کرنے کا تجربہ کیا اور چقندر کی کھیتی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ پہلے Polystyrene Rafts کی ایجاد ہوئی جس کی وجہ سے سمندر کی سطح پر کھیتی کرنا ممکن ہو سکا۔ اس پولسٹرین ریفٹ کے اوپر Plastic Gauze لگایا جاتا ہے تاکہ وہ فصلوں کی جڑوں کے لیے ایک سہارا بن جائے۔ پولسٹرین ریفٹ پانی پر تیرتے ہیں اور یہ Water Proof ہوتے ہیں اور پلاسٹک گاز کی مدد سے اُن پر فصلیں خاص طور سے چقندر کی پیداوار کی جاتی ہے۔ یہ کھیتی سمندر پر اس لیے شروع کی گئی تاکہ زمین پر سے کھیتی کا حد سے زیادہ دباؤ ہٹ جائے۔

پہاڑوں کی چوٹیاں کیوں ٹھنڈی ہوتی ہیں جبکہ وہ سورج سے نسبتاً قریب ہیں اور پہاڑوں کی نچلی سطح گرم رہتی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضا میں کثیف (Denser) اور لطیف (Raper) میڈیم ہوتی ہیں۔ ڈینسر میڈیم گرمی کو جذب کرتی ہے جو پہاڑوں کی نچلی سطح پر ہوتی ہیں اور لطیف یا Rarer Medium گرمی سے متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح شیشے سے سورج کی کرنیں گزر کر جہاں پڑتی ہیں، اس کو گرم کرتی ہیں مگر شیشہ گرمی سے متاثر نہیں ہوتا۔ بالکل یہی معاملہ پہاڑوں کی چوٹی کا ہوتا ہے۔ وہاں کی فضا Rarer Medium ہوتی ہے جو سورج کی گرمی کو اپنے اندر جذب نہیں کرتی بلکہ اس کو منعکس کر کے براہ راست زمین پر بھیج دیتی ہے۔ پہاڑوں کی نچلی سطح کی ارضی تابانی (Terrestrial Radiation) کثیف میڈیم کے اندر جذب ہو کر گرم ہو جاتی ہے اور یہی گرمی نچلی سطح سے منعکس ہو کر اوپر اور آس پاس پھیل جاتی ہے۔ اس لیے پہاڑوں کی نچلی سطح گرم رہتی ہے اور چوٹیاں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

ریگستان

براعظموں کے مغرب میں 30 ڈگری اور 35 ڈگری عرض البلد کے

درمیان عام طور سے ریگستان کیوں پائے جاتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عرض البلد پر تجارتی ہوائیں (Trade Winds) چلتی ہیں جو خشک ہوتی ہیں۔ ان میں تھوڑی بہت جو نمی ہوتی ہے وہ براعظموں کے مشرق اور وسط میں ہی بارش کر کے جوں جوں مغرب کی طرف بڑھتی ہے خشک ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی لیے براعظموں کے مغرب میں 30 اور 35 ڈگری عرض البلد پر عام طور سے ریگستان پائے جاتے ہیں۔

ریموٹ سینسنگ

ریموٹ سنسنگ (Remote Sensing) آج کی سائنس کی بہترین سوغات ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟

خلا سے سٹیلائٹ کے ذریعے مخصوص کیمروں سے زمین یا اُس کے ماحولیات کی تصویریں لی جاتی ہیں اور بعد میں اُن تصاویر سے اس جگہ کا نقشہ بنایا جاتا ہے۔ اس تکنیک سے زمین اور اس کی فضا، زمین اور اس کے نیچے، سمندروں کے اندر اور گلیشیروں کی اندرونی تصاویر لی جاتی ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں معدنیات ہیں، اور کہاں پانی اور پیٹرولیم کے ذخائر ہیں یا کس جگہ زمین کا کیا استعمال ہو رہا ہے یا کس استعمال کے لیے کون کون سی جگہیں مناسب ہوں گی۔ اس تکنیک سے زراعت اور صنعت کو بے حد فائدہ پہنچ رہا ہے۔

آسٹریلیا کا شمال مشرق کی طرف کھسکنا

کولوریڈو یونی ورسٹی کے سائنس دانوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ براعظم آسٹریلیا، کیلی فورنیا (U.S.A.) کے نزدیک آتا جا رہا ہے۔ یہ براعظم شمال مشرق کی جانب بڑھ رہا ہے اور اس کی رفتار دو انچ سالانہ ہے۔ کولوریڈو یونی ورسٹی کے سائنس دانوں نے Global Positioning System Satellite کا استعمال کر کے آسٹریلیائی براعظم کے کھسکنے کی رفتار معلوم کی ہے۔ سٹیلائٹ بیم ریڈیو سگنلز کے ذریعے سائنس دانوں نے بحر پیسفک (Pacific Ocean) اور براعظم انٹارکٹیکا میں لگے Receivers کے ذریعے آسٹریلیائی براعظم کے شمال مشرق کی جانب تین سال تک کھسکنے کی رفتار کا مطالعہ کیا۔ آسٹریلیا کے آگے بڑھنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بحر ہند (Indian Ocean) کی سطح ارض پر Rifting Zone بن گیا ہے جہاں سے تازہ گرم لاوا اندرونِ ارض سے نکل کر اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے براعظم آسٹریلیا کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ یہ Rift اسی طرح کی بن گئی ہے جیسی کہ Mid-Atlantic Rifting ہے جو امریکہ اور یورپ کو ایک دوسرے سے الگ اور دور کرتی رہتی ہے۔

الیکٹرونک نیوز پیپر

مستقبل کا اخبار الیکٹرونک نیوز پیپر ہوگا جو سرمئی رنگ کا پلاسٹک کا ٹکڑا ہوگا جس کو "Tablet" کے نام سے جانا جائے گا۔ اس کو جب انگلی سے چھونے پر اخبار کا پہلا ورق چھپی ہوئی شکل میں سامنے آجائے گا۔ اخبار کے پلاسٹک ٹکڑے پر Liquid Crystal Display (LCD) لگا ہوگا جس کے چھونے سے اخبار کے اوراق سامنے آتے جائیں گے۔ جیسے جیسے LCD کو چھوتے رہیں گے، اخبار کے اوراق بدلتے جائیں گے۔ اس طرح لمبے چوڑے اخبار کے سارے مواد کو سمو کر ایک پلاسٹک کے ٹکڑے میں کر دیا گیا ہے۔

Roger Fidler جو اس الیکٹرونک نیوز پیپر کے موجد ہیں، انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ ٹیبلٹ (Tablet) بہت جلد کامیاب ہو کر دنیا کے ممالک میں رائج ہو جائے گا۔ اس کی قیمت اتنی کم ہوگی کہ وہ عوام میں مقبولیت حاصل کرے گا۔

ہیلی کومٹ

ستاروں میں ایک اہم قسم دُم دار ستاروں (Comets) کی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معلومات جس کے بارے میں ہے وہ ہیلی کومٹ (Haily's Comet) ہے۔ اس ستارے کا علم ہمیں 240 سال قبل مسیح سے ہے۔ اب تک یہ کومٹ 29 بار نظر آچکا ہے۔ یہ سترہویں صدی کے برطانوی سائنس داں ایڈمنڈ ہیلی کے نام سے موسوم ہے کیوں کہ اس نے دریافت کیا تھا کہ دُم دار ستاروں کے مدار کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

دم دار ستارے سورج کی کشش کی وجہ سے اپنا مدار قائم رکھتے ہیں۔ اُن کا مدار بیضوی ہوتا ہے۔ سیاروں کے قریب سے گزرتے ہوئے اُن کی کشش کے باعث کبھی رفتار دھیمی یا تیز بھی ہو جاتی ہے۔

سائنسی ترقی کی ساری جزئیات کو یکجا کر کے ہیلی کومٹ کی حقیقت جاننے کے لیے ایک مصنوعی سیارچہ بنایا گیا جس نے مارچ 1986 میں سورج کی مخالف سمت سفر کرتے ہوئے ہیلی کومٹ کی تحقیق کے لیے اس کے مدار کے قریب تک سفر کیا اور اس کومٹ سے صرف 450 کلومیٹر کے فاصلے سے معلومات حاصل کر کے زمینی رسدگاہوں تک پہنچائی۔ اس سیارچے پر گیس، دھول کی تابناکی، گیس کے جزئیات، مقناطیسی کشش، ذرات کی بارش وغیرہ کی پیمائش کے لیے آلات اور تصاویر کے لیے کیمرے لگے ہوئے تھے۔

ہیلی کومٹ مونگ پھلی یا ایک لمبوترے آلو کی شکل کا ہے جو ہلکا سا خم لیے ہوئے ہے۔ یہ 16 کلومیٹر لمبا، 8 کلومیٹر چوڑا اور 8 کلومیٹر اونچا ہے۔ اس پر پہاڑیاں، غار، وادیاں اور دہانے ہیں جن سے گیس اور دُھول نکلتی رہتی

ہے۔ یہ کومٹ برف، پتھر، ٹھوس گیس اور کچھ نامعلوم مانع حرارت نامیاتی مادّوں سے بھرا ہے۔ سطح آدھ انچ موٹی کالک سے ڈھکی ہے جس میں کاربن شامل ہے۔ یہ کومٹ 15/مارچ 1986 کو زمین سے 15 کروڑ کلو میٹر دور تھا اور آسٹریلیا سے واضح طور سے نظر آتا تھا۔ جوں جوں یہ سورج کے نزدیک پہنچتا ہے، گیس، دھول اور ابخرات گرم ہو کر اس کی دم بنا دیتے ہیں۔

دم دار ستارے سورج سے ٹکراتے بھی رہے ہیں۔ 1979 میں ایسا ہی ایک دُم دار ستارہ سورج سے ٹکرایا تھا جس کی وجہ سے گھنٹوں سورج کی روشنی تیز رہی۔ اس کی ویڈیو ریکارڈنگ امریکہ کے ایک فوجی سٹیلائٹ پر نصب کیمرے نے کی تھی۔

پیٹرولیم کے خزانے

پیٹرولیم کے خزانے زیرِ زمین پوشیدہ رہتے ہیں۔ عام طور سے زمین کی اوپری سطح پر بہت ہی قلیل مقدار میں پیٹرول پایا جاتا ہے۔ پیٹرول کی سب سے زیادہ مقدار ان کنوؤں میں پائی جاتی ہے جو زمین کی اوپری سطح سے 3500 اور 4000 فٹ کی گہرائی میں پائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تیل کے خزانے سمندر کی تہہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پیٹرول زمین کے نیچے تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں کبھی نہیں پایا جاتا بلکہ یہ ایسی خاص چٹانوں میں پایا جاتا ہے جن میں باریک باریک سوراخ ہوتے ہیں، جن کو Porous Rocks کہتے ہیں۔ اس قسم کی چٹانوں میں پایا جانے والا تیل کھاری پانی کے ساتھ مخلوط رہتا ہے۔ یہ چٹانیں اسفنج کی طرح کام کرتی ہیں اور رقیق مادوں اور مختلف گیسوں کو اپنے اندر سموئے رہتی ہیں۔ لیکن پیٹرول ان چٹانوں سے بہہ کر باہر آسکتا ہے۔ جن چٹانوں سے تیل نکالا جاتا ہے، ان میں دبے ہوئے پرانے زمانے کے جانوروں اور پیڑ پودوں میں جو اجزا پائے جاتے ہیں، وہی کیمیائی اجزا تیل یا پیٹرول میں پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیٹرول کو ایک ایسا مادہ سمجھا جاتا ہے جو جانوروں اور پیڑ پودوں سے حاصل ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کا ماننا ہے کہ ہزاروں سال پہلے کے وہ سمندری جانور اور پیڑ پودے جو سمندر کی سطح پر رہتے تھے مرنے کے بعد سمندر کی تہہ میں جمع ہوتے گئے اور آہستہ آہستہ سمندر کی تہہ ان مرے ہوئے جانوروں سے ڈھکتی گئی۔ پھر اس پر بالو اور دوسری چٹانوں کے مادے جمع ہوتے رہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ زمین کی اندرونی تہوں کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے بہت زیادہ دباؤ اور تیز گرمی کی وجہ سے یہی جانور اور پیڑ پودے تیل کی چھوٹی چھوٹی بوندوں میں تبدیل ہوگئے۔ ہزاروں سال کا عرصہ گزرنے کے بعد سمندروں کی جگہ تبدیل ہوگئی لیکن تیل کی ان چھوٹی چھوٹی بوندوں سے بننے والے تیل کے یہ خزانے اسی حالت میں سمندری چٹانوں کے نیچے دبے رہے۔

ہندستان میں تیل کی تلاش کا آغاز ایک صدی پہلے ہوا تھا۔ 1866 میں پہلی بار آسام میں تیل کے کنوؤں کی موجودگی کا پتہ لگایا گیا تھا۔ لیکن آزادی کے بعد سے جب ہمارے ملک کی صنعتوں میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونا شروع ہوئی تو پیٹرولیم کی کھپت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ 1950 میں ہمارے ملک کے پیٹرول کی مانگ 34 کروڑ ٹن تھی۔ 1960 میں ہندستان کے تیل کی پیداوار دس ہزار بیرل یومیہ تھی۔ لیکن بومبے ہائی (Bombay High) میں تیل کی تلاش اور پیداوار کے نتیجے میں یہ مقدار 1975 تک بڑھ کر 2 لاکھ بیرل یومیہ ہوگئی۔ اس کے بعد سے پیٹرول صنعت نے ترقی کرتے کرتے جب 81-1980 میں قدم رکھا تو ہمارے ملک کے تیل کی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوچکا تھا اور یہ مقدار ایک کروڑ ٹن سے زائد ہوچکی تھی۔ یہ مقدار آہستہ آہستہ بڑھتی ہی چلی گئی۔

Oil India Limited (OIL) اور Oil And Natural Gas Commission (ONGC) دو ایسے ادارے ہیں جو ملک میں پیٹرولیم کی مانگ کو پورا کرنے کے لیے اور درآمدات پر انحصار کم کرنے کے لیے ملک میں جگہ جگہ تیل کے خزانوں کی تلاش اور کھدائی میں مصروف ہیں۔ ONGC نے سب سے پہلا تیل کا ذخیرہ، خلیج کھمبات میں تلاش کیا اور دوسرا گجرات کے انکلیشور کے مقام پر۔ اس کے بعد ممبئی، گجرات، آسام کے مختلف مقامات پر تیل کے کچھ نئے ذخائر کا پتہ بھی لگایا۔

زیرِ زمین جن مقامات پر تیل کے کنویں تلاش کر لیے جاتے ہیں، وہاں پر کھدائی کر کے تیل کو پائپوں کی مدد سے نکالا جاتا ہے۔ یہ خام تیل ہوتا ہے جس میں بہت سے کیمیائی مادّے مخلوط حالت میں موجود رہتے ہیں۔ اس پیٹرول کو Refineries میں صاف کیا جاتا ہے۔ ریفائنری میں تیل کو صاف کرنے کے لیے Fractional Distillation Technology کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کی مدد سے خاص خاص درجہ حرارت پر اُبلنے والے مختلف مادّوں کو الگ الگ اکٹھا کر لیا جاتا ہے۔ Fractional Distillation Technology کے ذریعے حاصل کیا جانے والا سب سے پہلا مادّہ Gasoline ہے۔ گیسولین میں Hexane Heptane اور Octane نام کے نامیاتی مرکبات پائے جاتے ہیں۔ کیروسین یا مٹی کا تیل Gasoline کے بعد اکٹھا کیا جاتا ہے۔ کیروسین میں Decane اور Dodecane نام کے نامیاتی ہائیڈرو کاربن پائے جاتے ہیں۔ Lubricating OIL گیس آئیل کے بعد اکٹھا کیا جاتا ہے۔ مختلف قسم کی پیٹرولیم جیلی یا ویسلین (Vaseline) موم (Parafin wax) اور پیٹرولیم کوک کچھ ایسے مادّے ہیں جو گرم کرنے کے بعد تقریباً آخری درجہ حرارت پر حاصل ہوتے ہیں

کیوں کہ ان سبھی مادّوں کے اُبلنے کا درجہ حرارت کافی زیادہ ہوتا ہے۔

دنیا کی سب سے تیز رو ریل گاڑیاں

مستقبل میں ریل گاڑیاں اپنی پٹری پر نہیں دوڑیں گی بلکہ پٹریوں سے چار انچ اوپر ہوا میں تیرتی ہوئی آگے بڑھتی جائیں گی۔ ایسی ریل گاڑیوں کی رفتار 480 کلو میٹر فی گھنٹہ ہوگی۔ یہ ریل گاڑیاں Magnetic Field Cushions کی مدد سے اپنی پٹریوں سے چار انچ اوپر ہوا میں تیرتی رہیں گی اور Magnetic Nuggets کے ذریعے آگے بڑھیں گی۔ سائنس کا یہ نیا کارنامہ بنی نوع انسان کے لیے بے حد کار آمد بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔

اب تک دنیا کی سب سے تیز رفتار ریل گاڑیاں جاپان میں اور فرانس میں ہیں۔ جاپان کی ریل گاڑی 200 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہے اور فرانس کی 248 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ نئی تکنیکی ترقی نے اس رفتار میں تھوڑا اور اضافہ کر کے 288 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار تک پہنچا دیا ہے۔ مگر اس رفتار کو اور بھی زیادہ آج کی سائنسی تکنیک نے کر دیا ہے۔ بہت جلد وہ وقت آ جائے گا، جب ریل گاڑیاں 480 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑیں گی۔

جینیٹکس

جینیٹکس (Genetics) کیا ہے؟ اور اُس کی پیڑ پودوں اور جانوروں میں کیا اہمیت ہے؟

جینیٹکس ایک سائنس ہے جو یہ بتانے کی سعی کرتی ہے کہ کیوں نباتات و حیوانات ایک دوسرے سے ملتے جلتے یا الگ الگ ہوتے ہیں۔ دراصل یہ نسلوں در نسلوں کی سائنس ہے۔ جینیٹکس کی اہمیت بہت ہے کیوں کہ اُس کی وجہ سے ہی پیڑ پودوں اور جانداروں میں الگ الگ قسمیں واضح ہوتی ہیں اور جینیٹکس کے استعمال سے پودوں اور حیوانات کی مطلوبہ قسمیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ جینیٹکس کا ادویات میں بھی بہت اہم کردار ہے۔ مثلاً مائیکروبس کی ایسی قسمیں پیدا کر دی گئی ہیں جو بہت زیادہ مقدار میں انسولین اور اسٹرپٹومائی سن مہیا کرتی ہیں جو بیماریوں کو روکنے میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ جینیٹکس کا اہم موضوع ہے لہٰذا اس پر تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ پہلے یہ سمجھیے کہ یہ جینیس (Genes) کیا ہے۔ پھر اس کے عمل پر بات کروں گا۔

ہر جاندار کا اور پیڑ پودوں کا جسم کروڑوں، اربوں، کھربوں خلیوں (Cells) سے بنا ہے۔ اس خلیے کے اندر ایک مرکزہ (Nucleous) ہوتا ہے۔ اس نیوکلیس کے اندر کچھ اجسام ہوتے ہیں جنھیں کروموزوم کہا جاتا ہے۔ ہر کروموزوم کے اندر ایک مخصوص کیمیائی مادّہ ہوتا ہے جس کو ڈی این اے (DNA) کہتے ہیں۔ ڈی این اے کا پورا کیمیائی نام "ڈی آکسو رائبو نیو کلک ایسڈ" ہے۔ ہمارے جسم اور دیگر جانداروں میں بھی بہت سے کیمیائی مادّے پائے جاتے ہیں تاہم ڈی این اے ہی وہ واحد اور مخصوص کیمیائی مادہ ہے جو اپنے جیسے مادّے کو تیار کر سکتا ہے۔ یعنی اس میں بھی ایک قسم کی افزائش نسل (Reproduction) کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ خاصیت اس کو دیگر سبھی کیمیائی مادوں سے منفرد بناتی ہے۔ ڈی این اے کی اس خاصیت کی وجہ اور دارومدار، ان چار قسم کی نائیٹروجن قلویات یا Bases پر ہوتا ہے جن سے یہ بنتا ہے۔ یہ چار Bases ہیں۔ A یعنی ایڈنین (Adenine) G یعنی گوانین (Guanine)، C یعنی سائیٹوسین (Cytosine) اور T یعنی تھیامین (Thiamine)۔ ڈی این اے کے مالیکول یا سالمے میں "A" ہمیشہ "T" کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور "C" ہمیشہ "G" کے ساتھ۔ یہ چاروں Bases ہمیشہ تین تین کے گروپ میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے AUG, TCA, GCC اور ACG۔ نائیٹروجن Bases کی اس تکون یا تین ارکان کے گروپ کو "جینی کوڈ" (Genetic Code) کہا جاتا ہے۔ یہی وہ خفیہ زبان ہے جس پر ہر جاندار کی بناوٹ اور کارکردگی کی تفصیل کروموزوم میں پیک ڈی این اے مالیکول میں چھپی ہوتی ہے۔ اس کو ہم سیل (Cell) کی خفیہ زبان کے حروف و اشارات بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان حروف سے مل کر جو ایک بامعنی لفظ بنتا ہے اُس کو ہم "جین" (Gene) کہتے ہیں۔ جس طرح R-A اور M مل کر ARM یا ع۔ ر۔ ب مل کر عرب بناتے ہیں۔ اُسی طرح کچھ یا بہت سے کوڈ مل کر ایک جین بناتے ہیں جو کہ جاندار کے واسطے کسی بھی ایک فعل کو انجام دینے کی ہدایت یا کُنجی ہوتی ہے۔ کروموزوم میں موجود ڈی این اے میں ایسی سیکڑوں، ہزاروں جینیس (Genes) موجود ہوتی ہیں۔ کچھ امراض موروثی طور پر چلتے ہیں۔ اُن میں کچھ مخصوص جینیس ہوتے ہیں۔ اُن کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض اس شخص میں ان جینیس کی وجہ سے آیا ہے۔ ان جینیس کو علیحدہ کر کے ان کی اصلاح کر دی جائے تو اس کو (Genetic Engineering) کہتے ہیں۔ یعنی آپ اس جین کو ہٹا دیں اور اُس کی جگہ دوسرا جین ڈال دیں۔ اس طرح بڑے مہلک امراض کا علاج ہو سکتا ہے اور اس علم یعنی جینیٹکس کا استعمال انسانوں کو دوسری تمام بیماریوں سے نجات دلانے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔ پیڑ، پودوں اور پھلوں کی عمدہ قسمیں اور نسلیں بھی پیدا کی جا سکتی ہیں اور ان میں بیماریوں کا تدارک بھی جینیٹکس کے استعمال سے کیا جا سکتا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر جاندار کا جسم بہت چھوٹی چھوٹی اکائیوں سے بنا ہے جس کو خلیہ یا Cell کہتے ہیں۔ اس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے دیوار میں اینٹ کی حیثیت ہے۔ جس طرح اینٹیں اکٹھی ہو کر دیوار بناتی ہیں، اسی طرح ہمارے جسم میں خلیے اکٹھا ہو کر جسم بناتے ہیں۔ گویا جب ہم پیدا ہوتے

ہیں تو ہمارے جسم میں خلیے یا سیل کم ہوتے ہیں اور جیسے جیسے بڑھوتری ہوتی ہے تو یہ سیل (خلیے) تقسیم ہو کر بڑھتی ہیں اور ہم بڑے ہوتے ہیں۔ خلیے کا سائز نہیں بڑھتا بلکہ اُن کی تعداد بڑھتی ہے۔ یہ سیل ایک بنیادی اکائی ہے مانند اینٹ کے اور اس سیل کے اندر پوری ایک دُنیا ہے۔ سیل کے سائز کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ ایک پن ہیڈ کے اوپر بیس ہزار خلیے آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بھی کہا گیا۔ ہر اس خلیے کے اندر ایک مرکزہ ہے جسے نیوکلیس (Nucleous) کہتے ہیں۔ اس مرکزہ کے اندر کچھ اجسام ہوتے ہیں جنھیں کروموزوم کہا جاتا ہے۔ ان کروموزوم کی ساخت انگریزی حروف میں O,U,V کی طرح ہوتی ہے جن میں یہ اجسام پائے جاتے ہیں۔ ایک بڑی خاص بات اُن میں یہ ہے کہ یہ ہمیشہ جوڑوں کی شکل میں ہوتے ہیں اور دونوں جوڑے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ایک اور ایک، دو اور دو، تین اور تین، چار اور چار اور ایک سے سات تک۔ ان کی تعداد چھیالیس ہوتی ہے۔ یعنی تیئیس جوڑے۔ ان چھیالیس جوڑوں میں سے آدھے مرد کے اندر ہوتے ہیں اور آدھے عورت کے اندر ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے اختلاط سے انسان کا وجود ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کا یہ مشاہدہ ہے کہ مرد کے اندر دو طرح کے کروموزوم ہوتے ہیں جنھیں X اور Y کروموزوم کہا جاتا ہے جبکہ عورت کے اندر صرف X کروموزوم ہوتا ہے۔ مرد کے X کروموزوم اور عورت کے X کروموزوم کے ملنے سے لڑکی پیدا ہوتی ہے اور مرد کے Y کروموزوم اور عورت کے X کروموزوم کے ملنے سے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح لڑکی یا لڑکے کی پیدائش میں صرف مرد ذمے دار ہوتا ہے۔

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ، واشنگٹن کے ممتاز سائنس داں ڈاکٹر حامد خاں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ کمپیوٹر انقلاب کے بعد اب سائنس کی دُنیا میں جینیک انقلاب آرہا ہے جو انسانی طرز حیات میں نمایاں تبدیلی کا موجب ہوگا۔ دنیا بھر کے سائنس داں جینوم پروجیکٹ پر امریکہ میں کام کر رہے ہیں۔ جینوم کی مدد سے انسانی صحت کو بہتر بنایا جاسکتا ہے اور امراض پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ باس متی چاول کی تحقیق پر امریکہ نے 96 بلین ڈالر خرچ کیا ہے۔ تبھی اُسے پیٹنٹ کرلیا گیا ہے۔ ڈاکٹر حامد خاں نے کہا کہ اس چاول کے استعمال سے آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اور بہت سی بیماریوں کی روک تھام ہوجاتی ہے۔

جینیک انجینئرنگ اور بایو ٹیکنالوجی کے تجربات

جینیک انجینئرنگ (Genetic Engineering) اور بایو ٹیکنالوجی (Bio-Technology) تیسری دنیا کے لیے ایک نیا سائنسی عہد لے کر آئی ہے۔ دہلی کے انٹرنیشنل سینٹر فار جینیک انجینئرنگ اینڈ بایو ٹیکنالوجی (ICGEBT) اور دوسرے سینٹر Trieste (اٹلی) نے مل کر تیسری دنیا کی سائنسی خلیج کو پُر کر دیا ہے۔ دہلی کا ICGEBT غذا کی پیداوار، آبادی پر کنٹرول اور انسانی و حیوانی صحت پر کام کرتا رہے گا جبکہ اٹلی کا ICGEBT صنعتی مائیکرو بایولوجی اور New and renewable sources of energy پر تحقیقی کام کرے گا۔

یہ دونوں بین الاقوامی مراکز مل جل کر تیسری دنیا کے مسائل پر بھی سائنسی ریسرچ کرتے رہیں گے تاکہ Bio-Technology کے ذریعے مسائل کا حل نکالا جاسکے۔ بایو ٹیکنالوجی اور جینیک انجینئرنگ (Genetic Engineering) مل کر سائنس کے میدان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ صنعت، ادویات، زراعت وغیرہ کے میدان میں ICGEBT نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ تیسری دنیا میں جہاں غذائی حالت بہت نازک ہے زراعت Bio-Technology کے ذریعے فروغ حاصل کرسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سبز انقلاب (Green Revolution) نے ان ممالک میں فاقہ کشی سے نجات دلادی ہے مگر اب بھی زراعتی مسائل کا حل سائنسی تحقیق کا محتاج ہے۔

Genetic Engineering کے ذریعے Genes کو ٹرانسفر کر کے حسبِ خواہش پیڑ پودے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اس میدان میں بھی ICGEBT سائنسی تحقیقی کام کررہا ہے۔ اس کے علاوہ Aids، پیلیا (Jaundice) اور ملیریا جیسی خطرناک بیماریوں سے بچاؤ پر کام کیا جارہا ہے، جس میں اس مرکز کو بہت کامیابی ملی ہے۔

کئی لاینحل عقدوں کو سلجھانے کے لیے بایو ٹیکنالوجی ہی نئی صدی میں سائنس دانوں کا اصل ہتھیار ثابت ہورہی ہے۔ کینسر اور ایڈس جیسی جان لیوا بیماریاں یا دنیا کی مسلسل بڑھ رہی آبادی کے لیے مناسب غذا کا نظم جیسے مسائل کا مؤثر حل تلاش کرنے کے لیے سائنس دانوں کی نگاہیں اب بائیو ٹیکنالوجی کی طرف ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کی وجہ سے سب سے زیادہ تبدیلی دواسازی کے شعبے میں آرہی ہے۔ مستقبل قریب میں جین تھیراپی کا استعمال عام ہوجائے گا۔ اس سلسلے میں حیدرآباد کا سینٹر فار سیلولر اینڈ مالیکولر بایولوجی تحقیقی کام کررہا ہے۔

ممبئی کے ٹاٹا میموریل سینٹر کے ڈائرکٹر ایس. ایس. اگروال کا کہنا ہے کہ دو دہائیوں سے بھی کم عرصے میں 80 سے بھی زائد ایسی دواؤں نے بین الاقوامی مارکیٹ میں اپنی ساکھ بنالی ہے جو بایو ٹیکنالوجی پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر اگروال کے مطابق، ان دواؤں کی وجہ سے دنیا میں تقریباً دس کروڑ مریضوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت بایو ٹیکنالوجی پر مبنی تقریباً 500 دوائیں تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں۔ ان میں بیشتر کینسر، دل کی بیماریوں سے متعلق دوائیں ہیں۔ ذیابیطس کے مریضوں کے لیے بنایا گیا ہیومن

انسولین بھی بایو ٹیکنالوجی کا کمال ہے۔ ذیابطیس کے مکمل خاتمے کے لیے بھی جین تھیراپی تیار کرنے کی کوشش جاری ہے۔ ایڈس کے لیے بھی بایو ٹیکنالوجی کے ذریعے تیار کردہ کئی دوائیں بازار میں آگئی ہیں جو خاصی مؤثر ثابت ہو رہی ہیں۔ بایو ٹیکنالوجی کے شعبے میں سائنس دانوں کی حاصل کردہ کئی اہم کامیابیوں میں پلیگ، ٹائی فائیڈ اور خوردنی اشیا میں زہر پیدا کرنے والے بیکٹریا کی ڈی۔این۔اے تشکیل اور انسان کی عمر کے تعین میں اہم رول ادا کرنے والے جین کی دریافت شامل ہے۔

امریکہ میں الینوئس یونی ورسٹی میں مائیکرو بایولوجی کے پروفیسر اے۔ایم۔ چکرورتی کے مطابق، انسانی خلیوں سے متعلق حال کے کئی کامیاب تجربات سے نہ صرف پارکنسن اور الزائمر جیسی لاعلاج دماغی بیماریوں کے مکمل علاج کے امکانات پیدا ہوئے ہیں بلکہ اس سے دل اور گردہ جیسے اہم انسانی اعضاء کو تیار کرنے کے امکانات کو بھی حوصلہ ملا ہے۔ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے لیے گردہ اور پھیپھڑا جیسے اعضاء کو تجربہ گاہوں میں تیار کرنے کی سمت میں کی جانے والی کوششیں بھی بایو ٹیکنالوجی کو نئی صدی میں کافی اہم بنا دیتی ہیں۔ امریکہ کے ورجینیا صوبے کے بلیکس برگ میں کلوننگ کے طریقے سے پیدا کیے گئے سور کے بچے بھی اعضاء کی پیوندکاری سے وابستہ سائنس دانوں کے لیے امید کی کرن بن گئے ہیں۔

ادویات کے علاوہ کئی دیگر شعبوں میں بھی بایو ٹیکنالوجی کو آزمایا جارہا ہے۔ ان میں سے ایک اہم شعبہ خوراک کا ہے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے اب جین سے تیار کردہ بیج اور فصلیں تیار کی جارہی ہیں۔ ایسی فصلیں تھوڑی سی جگہ میں ہی بڑی تعداد میں اگائی جاسکتی ہیں۔ لاجولا میں واقع امریکن سینٹر سوسائٹی میں مالیکولر بایولوجی کے پروفیسر آئی۔ایم۔ ورما کا کہنا ہے کہ مستقبلِ قریب میں جین تھیراپی کا انسانی صحت پر خاصہ اثر پڑے گا اور فصلوں کی عمدہ پیداوار پر بھی بہت اچھا اثر ہوگا۔ انھوں نے یہ انکشاف کیا کہ اس وقت جینیاتی اور اور غیر جینیاتی دونوں ہی طرح کی بیماریوں کے لیے جین تھراپی سے متعلق تحقیقات جاری ہیں۔

کلوننگ (Cloning)

تقریباً چالیس سال قبل ولیم اور پال پیڈوک دو امریکن سائنس داں بھائیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ 1970 کی دہائی کے درمیان تک ہندستان ایک مردہ خانے میں تبدیل ہوجائے گا اور یہاں کے جانداروں کی نسلیں ختم ہوجائیں گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا، کیوں کہ پیڈوک بھائیوں نے جینیٹکس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگایا تھا جس سے جانداروں اور پیڑ پودوں کی نسلوں کو دوبارہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ سبز انقلاب (Green Revolution) نے فصلوں کی مختلف اقسام کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اُن کو ترقی بھی دی۔ اس طرح پیڑ پودوں اور جانداروں پر جو آفتِ ناگہانی آنے والی تھی، وہ ٹل گئی۔ ان دونوں سائنس داں بھائیوں کی مستقبل کی قیاس آرائی سچ ثابت نہ ہوسکی لیکن اُن کی اس تحقیق نے دوسرے سائنس دانوں کو ایک نئی راہ دکھائی کہ جینیٹکس کی وجہ سے مفقود نسلیں خواہ وہ جانوروں کی ہوں یا پیڑ پودوں کی یا انسانوں کی ہوں، دوبارہ پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اس سائنسی طریقۂ عمل کو کلوننگ (Cloning) کہتے ہیں۔

کلوننگ (Cloning) انگریزی لفظ ہے۔ اس کی اصل یونانی لفظ "کلون (Klon)" ہے، جس کے معنی شاخ یا نوزائیدہ کے ہیں۔ کلوننگ یعنی نقل تیار کرنے کی تکنیک یوں تو بہت قدیم ہے۔ نباتات کے اندر اس کا استعمال بہت عام اور پرانا ہے۔ ایک ہی پودے کی نقل یا دو پودوں کو ملا کر تیسرے پودے کا حصول کیا جاتا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے نصفِ آخر سے جانداروں کے اندر اہم تجربات کا آغاز کیا گیا اور 1952 میں دو امریکی سائنس دانوں رابرٹ برگس اور تھامس کنگ نے ایک مینڈک تیار کیا۔ پھر مختلف مواقع پر مینڈک، چوہیا اور مکھی پر تجربات کیے جاتے رہے۔ 1993 میں انسانی کلوننگ کی بھی کوشش کی گئی۔ مارچ 1997 میں اوریگون یونی ورسٹی امریکہ میں دو بندر کلوننگ تکنیک کے ذریعے تیار کر لیے گئے۔

Biologists نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جانوروں اور پیڑ پودوں کی جو نسلیں مفقود ہوگئی ہیں یا ہو رہی ہیں اُن کو جینیٹکس کی طاقت سے اور کلوننگ کے ذریعے دوبارہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ہزاروں سال قبل ڈائنوسورس کی نسلیں ختم ہوگئی تھیں۔ اُن کو کلوننگ کے ذریعے دوبارہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بندروں اور بھیڑوں پر تجربہ کیا گیا۔ 1997 میں ڈاکٹر ایان ولمٹ نے "ڈولی" نامی بھیڑ کو کلوننگ کے ذریعے تیار کر کے دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا۔ ایڈنبرگ کے روزلن انسٹی ٹیوٹ میں ڈاکٹر ولمٹ کے علاوہ دوسرے سائنس دانوں نے مل کر ایک اور تجربہ کیا جس میں چار جینی نوعیت سے جڑواں بھیڑیں تیار کی گئیں۔ جب یہ چاروں جڑواں بھیڑیں بڑی ہوئیں تو باوجود جڑواں ہونے کے نہ صرف اُن کی ظاہری بناوٹ الگ الگ تھی بلکہ ان کے مزاج بھی مختلف تھے۔ اس تجربے کے نتائج نے ان امیدوں پر پانی پھیر دیا جو کلوننگ سے وابستہ تھیں۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر انسان اپنے جسم کے کچھ سیل لے کر اُن سے اپنا ہم شکل یا ہم زاد یعنی کلون بنوا بھی لے تو وہ "نیا انسان" اُس سے مختلف ہوگا۔

□□□

46, Nishat Apartments, Near Shamshad Market,
A.M.U., Aligarh-202002

عارف حسین

مغربی بنگال میں اردو والوں کے لیے بنگلہ تعلیم کا مسئلہ

جواہر لال نہرو کے دورِ وزارت عظمیٰ میں 1956 میں لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تنظیم نو کی گئی۔ اس جدید تنظیم کی وجہ سے مرحلہ تعلیم میں زبانوں کی تعلیم اور مرتبے کا از سرِ نو جائزہ لینے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ سنٹرل ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا۔ ملک کی لسانی ضروریات، دستوری تحفظات اور پابندیوں کے پیش نظر بحث و مباحثے کے بعد سہ لسانی فارمولا وجود میں آیا۔ 1961 میں نئی دہلی میں تمام ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس فارمولے پر غور و خوض ہوا اور معمولی ترمیم کے بعد اتفاق رائے سے اس سہ لسانی فارمولے کو منظور کر لیا گیا۔ اس کانفرنس میں زبان کی تعلیم و تدریس پر زیادہ زور دیا گیا۔ اس کے بعد حکومتِ ہند نے کوٹھاری کمیشن تشکیل دیا۔ اس کمیشن نے 1966 میں اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ کوٹھاری کمیشن نے جو قومی تعلیمی پالیسی وضع کی تھی، وہ آزاد ہندستان کی تعلیمی تاریخ میں سنگِ میل تھی۔ بد قسمتی سے اس پالیسی کے مقاصد کے حصول میں ہمیں بری طرح ناکامی ہوئی۔ کمیشن نے سہ لسانی فارمولے کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد اس کے نقائص سے بحث کی، لیکن معمولی ترمیم کے بعد اس نے بھی سہ لسانی فارمولے کو تسلیم کر لیا۔

اس فارمولے کے تحت ملک کی ہر ریاست میں سرکاری سطح پر حسبِ ذیل ترتیب میں تین زبانوں میں ابتدائی تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنے کا فیصلہ کیا گیا

1- پہلی زبان — مادری زبان
2- دوسری زبان — کوئی ایک جدید ہندستانی زبان
3- تیسری زبان — انگریزی (ایک غیر ملکی زبان)

لیکن اس کے بعد اتر پردیش جیسی بڑی ریاست کے اربابِ اختیار فکر مند ہو گئے۔ وہاں اکثریت کی مادری زبان ہندی اور سب سے بڑی اقلیت کی زبان اردو تھی۔ ان اربابِ اختیار نے سہ لسانی فارمولے کی مقررہ ترتیب ہی بدل دی اور مادری زبان کے مقام پر علاقائی زبان ہندی اور دوسری جدید ہندستانی زبان کے لیے سنسکرت کو منتخب کر لیا۔ سیاست دانوں کی اس چابکدستی سے اتر پردیش جیسی بڑی ریاست میں اردو مسترد ہو گئی۔ اتر پردیش کے علاوہ کئی دیگر ریاستوں میں مادری زبان (زیادہ تر حالات میں علاقائی زبان) کے بعد دوسرے مقام پر اردو جدید ہندستانی زبان ہو سکتی تھی لیکن اسے سنسکرت یا ریاست کے اربابِ اختیار کو منظور کسی اور زبان سے بدل دیا گیا اور اس طرح اردو اپنے ہی ملک میں بے گھر ہو کر رہ گئی۔

آج ہندستان خصوصاً شمالی ہند کے ہر بڑے صوبے میں خواہ وہ اتر پردیش (مع اترانچل)، مدھیہ پردیش (مع چھتیس گڑھ)، راجستھان یا دہلی ہو، اردو، اسکولوں کے نصاب سے باہر ہے۔ جہاں تک اتر پردیش کا تعلق ہے، جناب سید شہاب الدین نے اپنے ایک مضمون "ہندستان میں اردو کا مستقبل" میں ایک جگہ لکھا ہے، "چودھری چرن سنگھ کی وہ تکلیف دہ بات یاد آتی ہے کہ آزاد ہندستان کے چند اہم کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اتر پردیش کو یک لسانی ریاست بنا دیا گیا۔"

دراصل ریاستوں کی تنظیم نو کے بعد سہ لسانی فارمولا علاقائی زبان کے فروغ اور ہندی کو رابطے کی قومی زبان بنانے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس کے پس پشت کوئی تعلیمی نقطہ نظر نہیں تھا۔ اس فارمولے کی وجہ سے بعض لسانی اقلیتوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ بالخصوص اردو زبان کی حق تلفی ہوئی اور اسے شدید نقصان پہنچا کیوں کہ سہ لسانی فارمولے میں تعلیمی افادیت سے زیادہ لسانی عصبیت اور سیاست کارفرما تھی۔ سیاست دانوں کی وجہ سے اس لسانی مسئلے کا جو حشر ہوا اس پر تنقید کرتے ہوئے آفیشیل لینگویج کمیشن نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ اس نے کہا تھا "زبان صرف لباس ہے اور لباس کو سیاست کے جسم کے مطابق تراش کر قابلِ استعمال بنانا چاہیے نہ کہ اعضا کو کاٹ چھانٹ کر لباس کے مطابق۔" (آموزگار، اکتوبر 86)

اردو کا دوسری جدید ہندستانی زبانوں کی مانند کوئی مخصوص علاقہ یا گھر نہیں ہے۔ لیکن زیادہ تر ریاستوں یا مرکزی علاقوں میں یہ اقلیتی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج آزادی کی نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد اس ملک میں اردو اور اردو والوں کا مستقبل ایک نازک موڑ پر آ گیا ہے۔ ویسے بہار اور آندھرا پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ بہار کے کچھ دفاتر میں اردو مترجم اور ٹائپسٹ بھی مقرر کیے گئے ہیں (اس تعداد سے بہت کم جس کی حکومت پروپیگنڈہ کرتی ہے۔) لیکن یہ سرکاری عملے بھی بعد میں دوسرے کاموں میں لگا دیے جاتے ہیں کیوں کہ اردو داں اردو میں درخواست ہی نہیں دیتے۔ جہاں تک آندھرا پردیش کا

تعلق ہے، بہار کے مقابلے اردو کی حالت وہاں نسبتاً بہتر ہے۔ کرناٹک اور مہاراشٹر میں بھی کچھ اچھے آثار ابھی زندہ ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر لازمی ہے کہ تعلیمی معاملے میں ہر ریاست نے مرکزی پالیسی کے برعکس سہ لسانی فارمولے کو علاقائی اور ریاستی ضرورت کے تحت جزوی ترمیم کے ساتھ نافذ کیا۔ مثلاً جنوبی ہند کی ریاستوں نے ذولسانی فارمولے پر عمل کیا۔ مغربی بنگال کی مادری اور علاقائی زبان بنگلہ ہے لیکن یہاں مختلف زبان بولنے والے لوگ بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ مغربی بنگال کے بارے میں ایک عام رائے یہ ہے کہ یہاں کی حکومتیں سیکولر روایات کی امین رہی ہیں۔ یہاں مذہبی اور لسانی رواداری قائم رکھتے ہوئے لسانی اقلیتوں کے لیے اب تک بنگلہ زبان کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے مبرا رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں اردو کا ایک طالب علم انگریزی کے علاوہ صرف اپنی مادری زبان (اردو) میں ہائر سیکنڈری تک کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح کی سہولت ملک کی کسی دوسری ریاست میں اردو داں یا کسی اور لسانی اقلیت کو حاصل نہیں ہے۔ اس ریاست میں بھلے ہی اردو بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ سرکاری طور پر صرف کلکتہ، آسنسول اور شمالی دیناج پور اضلاع میں دس فی صد سے زیادہ اردو بولنے والے آباد ہیں۔ دفتر میں فائلوں کو اگر ڈھونڈا جائے تو شاید کہیں یہ مل جائے کہ ان تین اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن یہ محض علامتی ثابت ہوا ہے۔ فائل سے آگے عملی طور پر کچھ بھی نہیں ہو سکا ہے۔ بہرحال اردو کو یہاں عوامی مقبولیت حاصل ہے۔ بنگلہ داں اردو کی دلکشی کی داد دیتے ہیں۔ بنگلہ بولنے والے بہت لوگ اردو غزلوں کے بے حد شوقین ہیں۔ یہ شوق ان میں اردو سیکھنے کی خواہش بھی پیدا کرتا ہے۔ عام بول چال میں اردو، فارسی کے کئی الفاظ بنگلہ میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

لیکن پچھلے سال کے الیکشن میں مسلسل چھٹی مرتبہ اقتدار میں آنے کے بعد حکومت کے زیر غور مقابلہ جاتی امتحانات میں بنگلہ کو ایک لازمی پیپر قرار دینے کا معاملہ یقیناً پریشان کن ہے۔ کیوں کہ اگر یہ عمل میں لایا گیا تو سب سے زیادہ نقصان اردو والوں کو پہنچے گا۔ ہندی اور بنگلہ میں کافی مماثلت ہے۔ گجراتی، تلگو، اڑیہ اور اس طرح کی دوسری زبان بولنے والے یہاں برائے نام ہیں۔ ریاست کے پہاڑی علاقوں کے تینوں سب ڈویژن کالمپونگ، کرسیانگ اور دارجلنگ میں نیپالی کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن ان علاقوں کے لوگوں کے تیور دیکھ کر ہی حکومت یہ اعلان کر چکی ہے کہ وہاں بنگلہ ایک لازمی پیپر نہیں ہوگا۔ اس طرح دشواری صرف اردو داں طبقے کے حصے میں ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اردو داں طبقے کو اس کا علم یا احساس نہیں ہے۔ چند مہینے قبل اس معاملے کا چرچا ضرور ہوا، چند مضامین اور مراسلے بھی اخباروں میں چھپے۔ انجمن ترقی اردو (مغربی بنگال) نے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں 22/ جولائی 2001 کو لسانی اقلیتوں کا ایک کنونشن بھی منعقد کیا لیکن اب سناٹے کا عالم ہے۔ ویسے پہلے بھی یہ معاملہ پوری طرح صاف نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے کہ بنگلہ کا یہ لازمی پیپر تمام امتحان دینے والوں کے لیے یکساں ہوگا یا غیر بنگلہ داں طبقے کے لیے الگ ہوگا، اس لازمی پرچے کا نفاذ کس برس سے ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک بنگال میں رہنے والوں کے لیے بنگلہ جاننے کی بات ہے تو اس کو جاننے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مقامی زبان سیکھے بغیر کوئی چارہ نہیں، کیوں کہ یہ سرکار کی دفتری زبان ہے۔ اس زبان کو سیکھنا ہی نہیں بلکہ اردو والوں کو اس میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لیے پلاننگ اور وقت درکار ہے۔ ویسے بھی یہاں پہلے سے ہی سرکاری ملازمت کرنے والوں کے لیے بنگلہ جاننا ضروری ہے اور تمام غیر بنگلہ داں ملازم اور افسران بنگلہ جانتے بھی ہیں کیوں کہ ملازمت کے بعد انھیں محکمہ جاتی امتحانات میں (Departmental Exams) بیٹھنا پڑتا ہے اور یہ امتحان پاس نہ کرنے کی صورت میں ترقی اور تنخواہ میں سالانہ اضافہ منجمد ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب غیر بنگلہ داں بنگلہ کی ورکنگ نالج (Working Knowledge) حاصل کر لیتا ہے تو پھر بنگلہ کو ایک لازمی پیپر بنا کر اس میں امتحان لینے کی بات اتنے برسوں کے بعد کیوں پیدا ہو رہی ہے؟

پچھلے 8/ ستمبر 2001 کو ہندی روزنامہ "چھپتے چھپتے" کے ایڈیٹر نے بائیں محاذ کے چیئرمین شری جان بوس کے ساتھ اردو، ہندی کے صحافیوں کی ایک بیٹھک کا اہتمام کیا تھا۔ پچھلے 25 برسوں کی بائیں محاذ کی حکومت کے دوران اس طرح کی یہ پہلی بیٹھک تھی۔ یہ اجتماع اس اعتبار سے کامیاب اور مفید رہا کہ خوشگوار ماحول میں دل کھول کر باتیں ہوئیں۔ ایک دوسرے کی بات اور مسئلوں کو سمجھا گیا۔ چیئرمین نے یقین دلایا کہ اقلیتوں کی تعلیم کے سلسلے میں جن مشکلات کا ذکر بیٹھک میں آیا ہے ان پر دھیان دیا جائے گا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ملازمت اور روزگار کا مسئلہ ہے، خاص کر مسلم اقلیت کے لیے جس کی نمائندگی سرکاری ملازمتوں میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ شری جان بوس نے ایک اچھا اور مفید قدم اٹھایا ہے۔

اس بدلتے ہوئے منظرنامے میں اردو والوں کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ مغربی بنگال کا جو سیکولر ماحول اور مزاج بنا ہوا ہے وہ قائم رہے۔ اسکول اور

کالج کے امتحانات کے ساتھ مقابلہ جاتی امتحانات میں جو لسانی فارمولہ رائج ہے وہی برقرار رہے۔ ہاں اگر کسی خاص وجہ سے مقابلہ جاتی امتحانات میں غیر بنگلہ دانوں کے لیے بنگلہ بھاشا کا امتحان دینا بالکل ناگزیر ہے تو پھر ایسے امیدواروں کے لیے بنگلہ پیپر کے سوالات کا معیار ہرگز وہ نہیں ہونا چاہیے جو بنگلہ دانوں کے لیے ہو۔ غیر بنگلہ دانوں کے لیے لازمی مضمون سے کمتر ایک پیپر تیار ہونا چاہیے جس سے اس کی بنگلہ کی عام معلومات کے علم کا اندازہ لگایا جاسکے۔ یہ سلسلہ بھی ایک مناسب وقت کے بعد شروع ہو جس کے دوران اردو داں طبقہ اور دیگر امیدوار بنگلہ میں کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کرلیں۔

بنگلہ کی یہ ابتدائی تعلیم اسی وقت ممکن ہوسکے گی جب اردو میڈیم ہائی اسکولوں میں اسے ایک مضمون (زبان) کی حیثیت سے پڑھانا شروع کیا جائے۔ عنقریب ریاست کے ہائی اسکولوں اور ہائر سیکنڈری اسکولوں کے نصاب میں تبدیلی و ترمیم متوقع ہے۔ حکومت کے محکمہ تعلیم کے ایک اعلانیہ نمبر S (SE) 1693 بتاریخ 20/ستمبر 2001 کے مطابق پروفیسر رنجو گوپال مکھرجی کی قیادت میں 13 رکنی ایک کمیٹی تشکیل کی گئی ہے جو اس ریاست میں اسکول کی تعلیم سے متعلق اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ اس موقع پر اگر اردو داں طبقے کی طرف سے کوئی ٹھوس تجویز پیش کی گئی تو ممکن ہے اس پر پوری طرح غور و فکر کر کے اردو والوں کی بنگلہ تعلیم کے سلسلے میں کوئی بہتر راستہ نکل سکے۔

اکثر یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ حکومت کے فیصلہ کرنے سے پہلے ہم اپنی شکایات حکومت کے گوش گزار نہیں کرتے، نہ احتجاج کرتے ہیں۔ جب حکومت کسی نیصلے پر پہنچ جاتی ہے اسے قانونی شکل دے کر باقاعدہ اعلان کردیتی ہے تب ہم صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

کولکاتہ میں اردو زبان اور اردو ہائی اسکولوں کے تعلق سے کئی ادارے ہیں جن کے اغراض و مقاصد میں اردو زبان کے فروغ اور اردو اسکولوں میں بہتر اور معیاری تعلیم شامل ہے۔ ان اداروں سے تعلق رکھنے والے حضرات، اردو کے ماہرین، قوم کے دانشور، دور بیں اور دور اندیش لوگوں کی یہ ذمے داری ہے کہ اس اہم مسئلے کی طرف متوجہ ہوں اور تمام حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سمت متعین کریں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ سب مل کر کسی ردِ عمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سرگرم عمل ہوں۔ کہتے ہیں کہ بات اگر سچی اور انصاف پر مبنی ہو اور اسے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا جائے تو ہر سلیم العقل انسان اسے تسلیم کرے گا۔

□□□

Alam Bazar Urdu High School
155, S. P. Banerji Road, Kolkata-700035

مولانا ابوالکلام آزاد
ایک ہمہ گیر شخصیت
رشید الدین خاں
اس کتاب میں مولانا آزاد کی زندگی کے سوانحی گوشوں پر بہ طور خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔
صفحات: 684، قیمت: 58.00

املا نامہ
اردو املا میں یکسانیت اور باقاعدگی لانے کے لیے لسانی ماہرین پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات —
نظر ثانی شدہ ایڈیشن
مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ
صفحات: 129، قیمت: 9.00

مولانا ابوالکلام آزاد
شخصیت، سیاست، پیغام
رشید الدین خاں
مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے علمی اور عملی کارناموں کا مکمل تعارف —
دوسرا ایڈیشن
صفحات: 336، قیمت: 76.00

حیات جاوید
الطاف حسین حالیؔ
سر سید احمد خاں کے رفیق کار مولانا الطاف حسین حالی کے قلم سے سر سید احمد خاں کی زندگی کے حالات اور ان کی قومی اور مذہبی خدمات کا بیان —
چوتھا ایڈیشن
صفحات: 907، قیمت: 167

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ
سیّد احتشام حسین
اردو ادب کی تمام اصناف کا مختصر مگر جامع تعارف، تاریخی حوالوں کے ساتھ طلبہ کے لیے بہ طور خاص کار آمد —
چوتھا ایڈیشن
صفحات: 334، قیمت 70.00

شعریات
ارسطو کی بوطیقا کا ترجمہ اور تعارف
شمس الرحمٰن فاروقی
کے قلم سے ہر ادبی لائبریری میں اس کتاب کی موجودگی ضروری ہے
تیسرا ایڈیشن مع اضافہ جدیدہ
صفحات: 136، قیمت: 62.00

معین الدین خاں

امریکی کارپوریٹ سیکٹر میں گھپلے

دنیا میں روزانہ مختلف قسم کے واقعات و حادثات رونما ہوتے ہیں۔ ان میں بعض لمحاتی ہوتے ہوئے بھی گہرے اثرات چھوڑ جاتے ہیں اور تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں اور بعض اوقات جن معمولی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، وہ ایک بڑے سانحے کا موجب بنتی ہیں۔ گذشتہ سال 11 ستمبر کو دہشت گردوں نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر (World Trade Centre) پر حملہ کر کے یہ دکھا دیا کہ لمحاتی حادثے بھی زبردست بربادیوں کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ دوسری طرف امریکی کارپوریٹ نظام نے، جس کی کمیوں اور کوتاہیوں سے عدم توجہی برتی جاتی رہی ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سامنے ایک زبردست چیلنج پیش کیا ہے۔

2 دسمبر 2001 کو امریکہ کی سب سے بڑی بجلی کی تاجر کمپنی انرون (Enron) نے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا۔ اس سے پیشتر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فردمیزان (Balance Sheet) پر کامیاب نظر آنے والی فرم تاش کے پتوں کی طرح بکھر جائے گی۔ انرون کے زوال کے بعد ایک ایک کر کے کئی بڑی کمپنیاں ڈھیر ہوتی نظر آئیں۔ ان میں Xerox, Qwest, Kmart, Global Crossing, Worldcom, Adelphia, اور Tyco اہم ہیں۔ گذشتہ مالی سال کے دوران 257 امریکی پبلک کمپنیوں نے 258 بلین ڈالر ($258000 000 000) کی مالیت کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا اور اس مالی سال کے محض تین ماہ میں 67 فرمیں زمیں بوس ہو گئیں، اور یہ ایسی (Firms) فرمیں ہیں جن کی کل سالانہ فروخت (Turnovers) کئی ملکوں کے کل قومی پیداوار (GDP) کے برابر ہے۔ ان فرموں کے ڈھیر ہو جانے سے نہ صرف ان فرموں کے ملازم اور سرمایہ کار ہی متاثر ہوئے ہیں، بلکہ اس کے اثرات تقریباً دس ٹریلین ڈالر ($10,000,000,000,000) کی امریکی معیشت کے مختلف شعبوں پر بھی پڑا ہے۔ اور اس سے جہاں ملک کے شیئر بازار کے 80 ملین سرمایہ کاروں (80,000,000 investors) میں سراسیمگی ہے وہیں یہاں کے شیئر بازار زبردست اُتھل پُتھل کے شکار ہیں، اور اب تو پورے کارپوریٹ سیکٹر کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔

امریکی فرموں کے راتوں رات دیوالیہ ہونے کے متعلق کئی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ مثلاً عالمی معیشت 'مندی' سے دوچار ہے اور خصوصاً WTC پر حملے کے بعد امریکی سیاحت اور ہوابازی کے شعبے کو بھاری نقصان پہنچا ہے۔ پھر گلوبلائزیشن کے عمل نے بھی امریکی فرموں کو سخت مقابلے سے دوچار کیا ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ پر درست ہے کہ جو کمپنی نئے دور کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے، کامیاب رہتی ہے، ورنہ خاکستر ہو جاتی ہے۔ یہ ساری باتیں صحیح ہیں۔ مگر اس کے ساتھ مزید کئی نئے حقائق سامنے آئے ہیں۔ اب تک کی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ان فرموں کے حساب کتاب میں انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے ہیرا پھیری کی اور جعلی اعداد و شمار کی مدد سے ہمیشہ مثبت نتائج پیش کیے۔ یہاں اخراجات کو کم کیا جاتا رہا اور فروخت اور منافع کو متواتر بڑھایا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ برسوں سے جاری تھا۔

حالیہ دنوں میں جو فرمیں دیوالیہ ہوئی ہیں، اس کے لیے سب سے زیادہ کمپنی کے سربراہان (CEO's) کو ذمے دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کے غلط فیصلے، کوتاہ بینی، لالچ، انانیت اور مکر و فریب پر مبنی تھے۔ امریکہ میں CEO's کی مقبولیت میں کمی آئی ہے اور ایک تجزیہ کار کے مطابق CEO's کی ساکھ میں شیئر بازار سے زیادہ گراوٹ آئی ہے۔ ایک حالیہ سروے میں تمام پیشوں میں اسے سب سے

ٹائیکو (Tyco)

ٹائیکو کے 55 سالہ CEO ڈینس کوزلوسکی (Dennis Kozloski) کے خلاف جب مین ہٹن (Man Hattan) کے ڈسٹرکٹ اٹارنی نے ان پر 13 ملین ڈالر کے مصوری کے نمونے (Artworks) کے خریداری میں ٹیکس چوری (ایک ملین ڈالر) کا الزام لگایا تو کسی کے لیے یہ معمولی خبر تھی، وہ شخص جس نے گذشتہ تین سالوں میں 300 ملین ڈالر کی کمائی کی ہو اور جس کے پاس متعدد مکانات اور قیمتی سامانوں کے علاوہ ذاتی ہوائی جہاز اور 1930 کی خوبصورت بادبان کشتی (Yacht) ہو، اس کے لیے یہ انکشاف تو صد درجہ معمولی بات تھی۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بڑی جعل سازی کا پردہ چاک ہونے میں وقت لگتا ہے۔

ڈینس نے کالج کے دنوں سے کام کی شروعات کی۔ 1976 میں Tyco (اس وقت Tyco Laboratories) میں ملازمت حاصل کر لی۔ 1992 میں کمپنی کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اس کے بعد کمپنی کی کایا پلٹ ہونے لگی۔ ان کے دور اقتدار میں چھوٹی بڑی کمپنیوں کو ضم کیا جانے لگا۔ گذشتہ ایک دہے میں 60 بلین ڈالر سے 200 سے زیادہ بڑی کمپنیوں کو حاصل کیا گیا اور ایک اندازے کے مطابق 8 بلین ڈالر سے آخری تین سالوں میں 700 کمپنیوں کو آپس میں ملایا گیا۔ ہر کام کو جلدی سے جلدی نمٹایا جانے لگا اور اس ضمن میں کئی بڑی غلطیاں بھی ہو گئیں۔ CIT کو 10 بلین ڈالر سے کر حاصل کیا گیا جب کہ اسے آدھی قیمت پر بھی حاصل کیا جا سکتا تھا (ابھی یہ پتہ چلا ہے کہ ایک ڈائرکٹر کو سودا طے کرنے کے لیے 10 ملین

ہوئی قرار دیا گیا ہے۔ بعض افراد تو انھیں اکیسویں صدی کے 'bad boys' کہنے لگے ہیں۔ یہ لوگ کمپنی سے تنخواہ (ایک عام ملازم کی تنخواہ کے تین سو گنا سے بھی زیادہ) اور متعدد الاؤنس کی شکل میں جہاں کروڑوں ڈالر اینٹھتے رہے وہیں کمپنی سے آسان شرطوں پر قرضے حاصل کیے اور سستے داموں پر کمپنی کے شیئر خرید کر اونچی قیمتوں پر فروخت کر کے منافع کمایا۔ انرون کے Jeff Skilling نے کمپنی کے دیوالیہ ہونے سے پہلے اپنے شیئر فروخت کر کے 112 ملین ڈالر کمائے۔ اسی طرح Tyco کے Dennis Kozlowski نے تین سال کی ملازمت میں 240 ملین ڈالر بنائے۔ Qwest کے Nacchio نے اسی اثنا میں 232 ملین ڈالر حاصل کیے۔ جب کہ Oracle کے CEO نے 706 ملین ڈالر کی کمائی کی جب کہ پندرہ سال قبل Chrysler کے مشہور و معروف CEO کو صرف 20 ملین $ معاوضہ ملا۔ اہم بات یہ ہے کہ جیسے ہی اعلیٰ عہدیداروں نے اپنے شیئر فروخت کیے کمپنی کے شیئروں کی قیمت گرنے لگی۔ کیا انھیں کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی پیشگی خبر نہ تھی؟ اسی لیے ان پر Internal Trading کا الزام لگ رہا ہے۔ دیوالیہ کمپنی AdelPhia کے مالک اور CEO John Rigas نے اپنی کمپنی کی ضمانت پر بینکوں سے قرض لیا اور دوسرے شیئروں میں لگایا مگر ساری رقم ڈوب گئی اور اب کمپنی دیوالیہ ہو چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ بینکوں کے قرض کی ادائیگی کیسے کریں گے؟ 11 سال قبل Donald Trump ایسے ہی ایک CEO تھے؟ جنھوں نے بینکوں سے 900 ملین ڈالر قرض لیا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ انھوں نے سارا قرض اپنی ہی ضمانت پر حاصل کیا تھا۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اگر آپ کسی بینک کے ایک ملین ڈالر کے قرض دار ہیں تو ادا نہ کرنے کی صورت میں آپ کے لیے مشکلات ہیں مگر آپ نے بینک سے ایک بلین ڈالر قرض لیا ہے اور ادا نہیں کر پاتے ہیں تو خود بینک خسارے میں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ Trump کو بینک نے ان کے دیوالیہ ہونے پر بھی مدد کی تاکہ وہ اپنے خسارے کو کسی طرح کم کر سکے۔

ان فرموں کے CEO's نے اپنی من مانی کرتے ہوئے سارے فیصلے خود ہی کیے اور ڈائرکٹروں کی بورڈ میٹنگ میں صرف اپنی ہی بات کو اہمیت دی۔ کمپنی کے سرمایہ کار صرف بہتر منافع کمانے کا خواب دیکھتے رہے انھیں کمپنی کی بہتری سے کوئی سروکار نہ تھا۔ 1990 کی دہائی میں اطلاعاتی اور مواصلاتی ٹیکنالوجی والی فرموں میں خوب سرمایہ کاری ہوئی۔ میڈیا میں نئی معیشت کا خوب چرچا ہوا۔ ہر کوئی اس امید میں یہاں پیسہ لگاتا رہا کہ اس سے حد درجہ کمائی ہوگی لیکن اس سوال پر کبھی غور نہیں کیا گیا کہ آخر اس شعبے میں کتنی وسعت پذیری کے امکانات ہیں۔ بے شک کاروبار میں کسی اہم فیصلے پر پہنچنے کے لیے جہاں ٹھوس اعداد و شمار کی ضرورت ہوتی ہے وہیں کئی دانشمندانہ اندازے (Smart Guess) کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ کارپوریٹ شعبے نے حال کے منافع تک ہی خود کو محدود رکھا۔ یہاں اس سوال پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ معیشت کے صرف ایک شعبے میں ترقی دیرپا ثابت نہیں ہوتی۔ Worldcom اور Global Coossing کے عہدیداران نے ماضی سے سبق نہیں لیا۔ پروفیسر رابرٹ سیمولسن کا کہنا ہے کہ جب معیشت کے ایک شعبے میں ایک عرصہ دراز تک تابڑ توڑ سرمایہ کاری کی جاتی ہے تو ایسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔ انیسویں صدی میں جب کار اندازہ (Entrepreneur)، سرمایہ کار (Investor)، اور سٹے باز (Speculator) ریلوے کی تعمیر، نہروں کے نیٹ ورک کو پھیلانے اور زراعتی نظام کو فعال بنانے میں بھاری رقومات لگانے لگے تو 1831 سے 1836 کے درمیان وفاقی زمین کی قیمت فی ایکڑ ایک ملین ڈالر سے 20 ملین ڈالر ہو گئی، مگر یہ گرم بازاری 1842 کے آتے آتے سرد پڑ گئی اور 8 ریاستیں اپنے قرض کی ادائیگی نہیں کر پائیں۔ آج ایک اندازے کے مطابق مواصلاتی اور

ڈالر دیا گیا)۔ عرصے سے اعلیٰ عہدوں پر براجمان عمر رسیدہ افسروں کی چھٹی کر دی گئی۔ اور ان کی جگہ نوجوان افسروں کو تعینات کیا گیا، جو کمپنی کو زیادہ سے زیادہ وقت دے سکتے تھے۔ کمپنی کی ترقی کا گراف برابر اوپر جا رہا تھا۔ لیکن ڈیفس پر ٹیکس چوری کا معاملہ سامنے آنے کے بعد کمپنی کے حساب کتاب پر انگلی اٹھائی جانے لگی، اور شک کا دائرہ بڑھتا گیا۔ اور دھوکہ دھڑی سامنے آنے لگی۔ سر دست کمپنی دیوالیہ ہو چکی ہے اور اس کے شیئروں کی قیمت میں 80فی صد کی کمی ہوئی ہے۔ یہ کمپنی 27 ملین ڈالر کی قرض دار ہے اور آخری 18 ماہ کے عرصے میں اس نے 12.8 ملین ڈالر ٹیکس کی چوری کی ہے اور ڈیفس نے بورڈ ممبران کو بتائے بغیر اپنے حصے کے 500 ملین ڈالر کے شیئر فروخت کیے ہیں۔ آج سرمایہ دار اور ملازمین کو فکر لاحق ہے کہ مستقبل میں ان کا کیا بنے گا!

گلوبل کراسنگ (Global Crossing)

(27 ملکوں کے 200 شہروں میں مواصلاتی خدمات فراہم کرنے والی امریکی کمپنی)

گلوبل کراسنگ کی بنیاد گیری وینک (Gary Winnick) نے اپنے 1.5 ملین ڈالر کے نجی سرمائے سے 1997 میں رکھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹیلی کام شعبے میں انھیں کام کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ 1998 کے آتے آتے یہ کمپنی 38 بلین ڈالر کی ہو گئی اور 2000 میں اس کے شیئروں کی مجموعی قیمت 47 بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ لیکن چار سال کے اندر ہی کمپنی نیچے کھسکنے لگی۔ اب اس کے مجموعی شیئروں کی قیمت محض 70 ملین ڈالر رہ گئی ہے۔ لیکن اس اثنا میں گیری وینک خود 750 ملین ڈالر کی کمائی کر چکے تھے اور ساتھی ڈائرکٹر بھی 582 ملین ڈالر کے مالک بن گئے۔ اب اس کے امکانات معدوم ہیں کہ قرض دینے والے اور دوسرے متاثر افراد اپنی رقومات حاصل کر سکیں گے۔ ان کچھ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ کارپوریٹ کمپنی

اطلاعاتی شعبے کی کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے سے شیئر بازار میں ایک ٹریلین ڈالر ($1000,000,000,000) کا نقصان ہوا ہے اور 5 لاکھ لوگ بے کار ہوگئے ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں کمپنیاں بازار میں اپنی حیثیت مستحکم کرنے کے لیے فکر مند ہوتی تھیں، لیکن اکیسویں صدی کے آتے آتے معیشت میں ایک نیا نعرہ بلند ہوا۔ سب سے بڑی فرم وہ ہے جس کی پکڑ بازار پر سب سے زیادہ ہے اور جو سب سے زیادہ منافع کماتی ہے۔ اس سلسلے میں فرموں کے ضم ہونے اور تحصیل کرنے (Merger and Acquisition) کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ اب چھوٹی صنعتوں کا دور تمام ہوا اور قوی ہیکل صنعتوں کا دور چل پڑا۔ 2000ء میں Timewarner اور AOL نے آپس میں ضم ہو کر 110 بلین ڈالر ($110,000,000,000) کی مملکت قائم کی۔ Worldcom نے MES, UUNet, MCI کو آپس میں ملا کر 39 بلین ڈالر کی کمپنی بنائی۔ 1997 میں Worldcom کے CEO نے اپنا منشاء ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمارا مقصد بازار پر قبضہ جمانا نہیں ہے بلکہ ہم شیئر بازار Wall Street پر اوّل مقام کے متمنی ہیں۔" (مگر اب کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اس کے شیئروں میں 98 فی صد کی کمی ہوئی ہے)۔ دراصل ان فرموں کے CEO's کی نظریں کمپنی کے مقاصد کے حصول سے زیادہ شیئر بازار میں معتبر ہونے کے لیے لگی رہیں۔ لیکن ایسا کرنا عملاً ہر وقت ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ان کمپنیوں نے اپنے حساب کتاب میں جعل سازی شروع کی اور شیئر بازار کے سامنے اپنی چارماہی فرو میزان میں خوش کن نتائج پیش کرنے لگے۔ اس کام میں کمپنی کے شعبۂ فروخت اور فائنانس کا عملہ بھی پیش پیش رہا۔

لیکن اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ شیئر بازار میں اُچھال لانے یا کمپنی کو دیوالیہ بنانے کے لیے صرف CEO's کو ہی مورد الزام ٹھہرانا کافی نہیں بلکہ اس کارستانی میں کارپوریٹ شعبے کے دوسرے افراد بھی ملوث ہیں۔ انرون کے دیوالیہ ہونے پر صدر جارج بش نے اسے امریکی معیشت میں ایک سڑے ہوئے سیب سے تشبیہ دی تھی۔ لیکن حالیہ انکشاف نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کارپوریٹ نظام میں زبردست کوتاہیاں ہیں۔ کمپنی کی صلاح کار فرمیں جو انھیں مختلف طرح کی سہولیات فراہم کرتی رہیں وہ بھی اپنی منفعت کے لیے غیر پیشہ ورانہ کاموں کو انجام دینے لگیں۔ یہ لوگ بیک وقت کمپنی کو سرمایہ بھی مہیا کراتے رہے اور کمپنی کے حقیقی حال سے شیئروں کی خرید وفروخت کرنے والوں کو باخبر بھی کرتے رہے اور انھوں نے کمپنی کو صلاح دینے کے عوض میں بھاری بھرکم فیس بھی وصول کی۔ دراصل انھوں نے امانت میں خیانت کیا۔ مشہور زمانہ سرمایہ کاری تجزیہ کار فرم Merril Lynch کے David Komansky نے Infospace کمپنی کو اپنی سہولیات دستیاب کرائیں اور اس کے عوض میں کافی رقم حاصل کی۔ لیکن غلط مشورے کی وجہ سے اس کے شیئروں کی قیمت میں بھاری گراوٹ آئی۔ جو شیئر مارچ 2000 میں 132 ($) ڈالر تھا اب وہ 1.46 ڈالر ہو کر رہ گیا۔ اب یہ بات تسلیم کی جارہی ہے کہ فرم Merril Lynch نے جو کچھ کیا وہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس طرح کی دوسری صلاح کار کمپنیاں بھی گھپلہ کرچکی ہیں اور Infospace کی طرح دیگر فرمیں دیوالیہ ہونے کی کگار پر ہیں۔ اس طرح کا سلوک Salmon Smith Barney فرم کے Jack Grubman نے Worldcom کے شیئر کے ساتھ کیا۔ اس کے فی شیئر کی قیمت 60 ڈالر سے گھٹ کر 6 ڈالر رہ گئی ہے۔ یہاں اس حقیقت کی یاددہانی ضروری ہے کہ 1930 کے دہے میں امریکی مندی کے بعد Glass Steagal Act (1933) کے تحت کمرشیل اور سرمایہ کار بینکوں کے درمیان حدِ فاصل کھڑی کردی گئی تھی اور بینکوں، سیکورٹی فرموں اور انشورنس کمپنیوں کے آپس میں الحاق پر پابندی لگادی گئی۔ لیکن 1999 میں نئی اقتصادی پالیسی کو مزید لچک دار بناتے ہوئے اس قانون کو ختم کردیا گیا۔

میں چند لوگوں کو فائدہ ہو تو ہو مگر شیئر افراد اور حکومت کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ورلڈ کوم (World Com)

(نئی معیشت کے لیے ناگزیر کہی جانے والی 112 بلین ڈالر کی دیوالیہ)

ورلڈ کوم عالمی انٹرنیٹ اور ای کامرس کی سہولیات فراہم کرنے والی دنیا کی سب سے بڑی کمپنی ہے۔ اس 15 سالہ کمپنی نے 65 ملکوں میں 160000 کیلو میٹر کے وسیع نیٹ ورک سے اپنے کاروبار کو پھیلا رکھا ہے۔ 25 جون 2002 کو اس کے سابق CEO برنارڈ ایبر (Bernard Ebber) نے یہ انکشاف کیا کہ کمپنی نے پچھلے 15 ماہ میں اپنے کھاتے میں 3.9 بلین ڈالر کی گڑبڑی کی ہے (تازہ خبر یہ ہے کہ کمپنی نے کھاتے میں خود ہی 10 بلین ڈالر کی ہیرا پھیری کی ہے۔) اسی دن 17000 ملازمین کو چلتا کر دیا گیا۔ بعد میں 8 جولائی کو انھوں نے U.S. Financial Service Committee کے سامنے باضابطہ اپنے جرم کا اعتراف کیا اور 21 جولائی کو نیویارک میں کمپنی نے باقاعدہ دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا اور اسی دن وفاقی عدالت سے Chapter II کے تحت دیوالیہ ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے درخواست دی گئی۔ کمپنی نے دیوالیہ ہو کر یہ منشا ظاہر کی ہے کہ اسے قرض دینے والوں سے چند سال کی مہلت مل جائے تاکہ وہ کمپنی کی تشکیل نو کر سکیں اور بالآخر وہ قرض کی ادائیگی کر سکیں گے۔ پچھلے تین سالوں میں کمپنی کے شیئر میں 97 فی صد کی کمی ہوئی ہے اور اب تو 80 ہزار ملازمین کی ملازمت داؤں پر لگی ہے۔ برنارڈ ایبر نے نہ صرف کمپنی میں لوٹ کھسوٹ مچائی بلکہ انھوں نے 339 بلین ڈالر بھی کمپنی سے قرض لے لیے ہیں اور اس بات کی توقع کم ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی کرپائیں گے۔

□□□

کمپنی کے حساب کتاب کی دیکھ ریکھ میں آڈیٹروں (Auditors) کا رول فیصلہ کن ہوتا ہے لیکن تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انھوں نے فرموں کے حساب کتاب کا بغور مطالعہ کیے بغیر ہی ان کے فرد میزان پر فیس وصول کر کے دستخط کر دیے۔ 89 سالہ فرم Arther and Andersen !! جس نے انرون کی 16 سال تک اور World com جیسی بڑی کمپنی کی آڈیٹنگ کی تھی، نے اب کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے کے بعد، اپنی فرم کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ (ایک وقت یہ کمپنی 1200 کمپنیوں کی آڈیٹنگ کرتی تھی اور اس کے 28000 ملازمین تھے۔) غور طلب بات یہ ہے کہ 2000 میں اینڈرسن نے انرون سے بطور آڈیٹر جتنی رقم حاصل کی تھی اس سے کہیں زیادہ اس نے انرون سے دوسری سہولیات کے عوض کمائے۔ اس گھپلے نے امریکی اکاؤنٹنگ نظام پر بھی سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔ (اب تک لندن، پیرس، ٹوکیو میں اس طرح کے کارپوریٹ گھپلے کا انکشاف نہیں ہوا ہے۔) خود سرکاری ادارے Securities and Exchange Commission (Sec.) کا رول تشفی بخش نہیں ہے۔

قانون کی رو سے SEC، شیئر بازار میں درج 17000 امریکی پبلک کمپنیوں کے کام کاج پر نظر رکھتی ہے، لیکن گذشتہ سال اس نے محض 15 کمپنیوں کی مالیاتی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ اس صورت حال میں کس بات کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس کے پاس فنڈ کی کمی ہے SEC ہر سال ان کمپنیوں سے 21 بلین ڈالر بطور فیس وصول کرتی ہے۔ امریکی پارلیامنٹ کانگریس کے ممبران SEC کو مزید اختیارات دیے جانے کے خلاف رہے ہیں لیکن سردست دونوں ایوانوں کے ممبران مختلف سطح کی تحقیقات میں منہمک ہیں۔ اب SEC سمیت چالیس ریاستوں کے عہدیداران اور U.S. House Financial Services Commission, U.S. Energy and Commerce Comm اور U.S. Justice Dept. کا عملہ تحقیقات کر کے خاطیوں کو سزا دلانے کی جستجو میں ہے SEC نے سبھی کمپنیوں کے CEO's سے کہا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ پر دستخط کرتے وقت سچائی کا حلف لیں تاکہ غلط بیانی کی صورت میں ان کی سخت سرزنش کی جاسکے اور ایک نئے قانون کو صدر بش نے اپنی منظوری دی ہے، 30/جولائی 2002 کو انھوں نے Sarbanes Oxley Act of 2002 پر دستخط کیے۔ لیکن اس قانون سے سردست بہت کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حالیہ چند ماہ کے انکشافات میں صدر جارج بش اور نائب صدر ڈک چینی (Dick Chenney) کو بھی ان کے سابقہ کارپوریٹ کارکردگی کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے، صدر جارج بش پہلے امریکی صدر ہیں جنھوں نے MBA کی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ اپنے سیاسی زندگی کے آغاز سے پہلے توانائی کمپنی Spectrum 7 کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی فرم کو Herkenenergy کی فروخت سے لاکھوں ڈالر بنائے۔ اس طرح ڈک چینی بھی الزام ہے کہ انھوں نے Halliburton میں CEO کی حیثیت سے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ اس بات میں سچائی ہے کہ صدر جارج بش کے دورِ اقتدار میں آنے سے ان کی انتظامیہ کے کئی سابق CEOs کو اعلیٰ عہدوں پر جگہ ملی ہے۔ امریکہ میں کمپنیوں کے ذریعے سیاستدانوں کو دیے گئے Soft Money کی شکل میں عطیات بھی سچائی پر پردہ ڈالنے کا کام کر سکتی ہیں۔ سردست امریکی پارلیمنٹ میں دو تہائی ایسے ممبر ہیں جن کو انرون اور Anderson جیسی فرموں سے مالی امانت حاصل ہوئی ہیں۔ تازہ خبر یہ ہے کہ SEC کے چیئرمین Henery Pitt ملک کی پانچ بڑی اکاؤنٹنگ فرموں میں ان کے وکیل رہ چکے ہیں اور نیویارک کے فعال اٹارنی جنرل Eliof Spitzer جو حالیہ کارپوریٹ گھپلے میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں، یہ کام اس لیے کر رہے ہیں تاکہ 2006 میں وہ ریاستِ نیویارک کے گورنر کا انتخاب جیت سکیں۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ حالیہ دنوں میں جس طرح کی کارپوریٹ بدعنوانیاں امریکہ میں سامنے آئی ہیں، وہ آئندہ وقتوں میں نہیں دہرائی جائیں گی (یا دوسری جگہوں پر ایسا کچھ نہیں ہوگا)۔ اس لیے لازمی ہے کہ خاطیوں کو سزا دی جائے اور سخت قانون بنا کر اس پر عمل در آمد کرایا جائے۔ تحقیقاتی ایجنسیوں کو بھی فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ پھر سیاست دانوں پر کارپوریٹ شعبے کی عنایتیں کم ہوں، اس کی کوششیں بھی ضروری ہیں۔ لیکن ان سب کے ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ وہ افراد بھی دیانت داری کا ثبوت دیں جو کارپوریٹ سکٹر کے اونچے عہدوں پر ہیں۔ ان کی دیانت داری پر نہ صرف کمپنی کی کامیابی اور ترقی ممکن ہے بلکہ معاشرے کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی ناموس کا بھی انحصار ہے۔ خصوصاً اس وقت جب سبھی ممالک آنکھ بند کر کے سرمایہ دارانہ نظام پر ایمان لا کر اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ آخر میں یہ بات بھی کم اہم نہیں کہ معاشرے میں حد درجہ لالچ سے ایسے ہی گھپلے سامنے آتے رہیں گے۔

پس نوشت: امریکی شیئر بازاروں میں ایک لطیفہ کافی مشہور ہو رہا ہے۔

اگر آپ نے ایک سال پہلے ایک ہزار ڈالر کا Nortel کمپنی کا شیئر خریدا تو غلطی کی تھی کیوں کہ اب اس کی قیمت محض 50 ڈالر رہ گئی ہے۔ کاش کہ آپ نے ایک ہزار ڈالر کی بیئر (Beer) خریدی ہوتی تو بیئر بھی مزے سے پیتے اور اس کی بوتل (Cams) فروخت کر دینے پر بھی 100 ڈالر مل جاتے۔

اور اب ہندستان میں بھی

ٹاٹا گھرانے کا شمار ہندستان کے ممتاز اور معتبر صنعتی گھرانوں میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹاٹا فائنانس لمیٹڈ (Tata Finance Limited) میں جب بدعنوانی کا معاملہ سامنے آیا تو سبھی حیرت زدہ رہ گئے۔ یہاں بھی ایسا

کھپلہ ہو سکتا ہے اور اس پر پردہ ڈالنے کی سعیِ لاحاصل بھی ہو سکتی ہے، ایسی توقعات بہت ہی کم تھیں۔

ٹی. ایف. ایل. ٹاٹا گھرانے کی ایک اہم غیر بینکنگ مالیاتی کمپنی (NBFC) ہے یہ بنیادی طور پر کار آمد کمرشیل گاڑیوں کی خرید و فروخت کے لیے مالیات فراہم کرتی تھی اور اس کے کاروبار کا 85 فی صد مالیہ اسی مد میں لگتا تھا۔ لیکن زیادہ منافع کمانے کے چکر میں کمپنی نے دوسرے شعبوں کو بھی مالیات فراہم کرنا شروع کیا۔ مکانوں کی تعمیر کے لیے رقومات فراہم کرنے کے ساتھ، غیر ملکی زرِ مبادلہ کے کاروبار اور مرچنٹ بینکنگ سمیت متعدد دوسرے شعبوں میں بھی اس نے اپنے ہاتھ پیر پھیلائے۔ اسی سلسلے میں اس نے دو ذیلی اداروں Niskalp Investment & Trading Company (NITC) قائم کی تاکہ یہ شیئر بازار میں سرمایہ کاری کر سکیں۔ 1999 سے 2000 تک نشکلپ (NITC) نے I.T. شیئروں میں پیسے لگائے۔ شروع میں کامیابی بھی ملی لیکن بروقت شیئروں کو فروخت نہ کرنے کی وجہ سے کمپنی کو 300 کروڑ روپے کا نقصان ہو گیا۔ اپریل 2001 تک یہ نقصان بڑھ کر 500 کروڑ روپے ہو گیا۔ لیکن TFL نے اس نقصان کے متعلق اپنے سرمایہ کاروں اور فروغ کاروں (Investors & Promoters) کو اس کی کوئی جانکاری نہیں دی۔ البتہ اس نے مشہور و معتبر آڈیٹرا ے. ایف. فرگوسن (A.F. Ferguson) کے پارٹنر وائی. ایم. کالے کو اس معاملے میں تفتیش کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے 1999 سے 2001 کے درمیان کمپنی کے کھاتے کی جانچ کی اور عارضی رپورٹ جولائی 2001 میں کمپنی کے حوالے کر دی۔ بعد میں 904 صفحات کی مکمل رپورٹ 24/اپریل 2002 کو پیش کر دی گئی۔ اس رپورٹ کے کچھ حصے اخباروں میں شائع ہو گئے۔ لیکن 2/اگست 2002 کو تنازعہ اس وقت کھڑا ہوا جب فرگوسن نے اپنی آڈیٹنگ رپورٹ واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ فرگوسن نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ وہ ٹاٹا کو 95 لاکھ روپے بطور آڈیٹنگ فیس بھی واپس کر رہے ہیں، جو انھوں نے اس کام کے لیے لیے تھے اور ساتھ ہی کالے کو اپنے یہاں سے نکال دیا۔ کالے پر الزام لگایا گیا کہ ان کے طریقۂ کار سے TFL کے چیئرمین کو تشفی نہیں ہے۔ 8/اگست کے پریس ریلیز میں فرگوسن نے کالے کے ماضی کے کام کاج پر بھی سوالیہ نشان لگایا۔ واضح رہے کہ کالے 3 دہائی تک فرگوسن (AFF) سے وابستہ رہے ہیں اور ملک کے متعدد اکاؤنٹنگ اداروں کے اعلیٰ عہدوں پر رہ چکے ہیں۔ لیکن کبھی بھی ان کے طریقۂ کار پر حرف نہیں آیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرگوسن نے اپنی رپورٹ کسی دباؤ کے تحت واپس لی ہے؟ کیوں کہ فرگوسن ٹاٹا گھرانے کی 36 کمپنیوں کے میزان/حساب کتاب کی آڈیٹنگ کرتے ہیں۔ اس طرح اگر یہ کام کسی طرح کے دباؤ کے تحت کیا گیا تو خود آڈیٹنگ پیشے کی دیانت داری پر شک ہونے لگتا ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو کالے کے سابقہ آڈیٹنگ مشکوک ہو جاتے ہیں۔ بے شک TFL سے متعلق کالے کی رپورٹ کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے، لیکن اس سے معاملے کی سنگینی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ٹاٹا گھرانے نے TFL کے سابق منیجنگ ڈائرکٹر دلیپ پنڈسے (Dilip Pendse) کے خلاف ممبئی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے ان پر 424 کروڑ روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا ہے اور اپنے جوابی مقدمے میں پنڈسے نے کہا ہے کہ کمپنی کے سارے فیصلے مشترکہ طور پر لیے گئے ہیں اور اس کام کے لیے سبھی ذمے دار ہیں۔ جب شیئروں کی قیمت گر رہی تھی تو انھوں نے شیئر کو فروخت کرنے کے لیے کہا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور نتیجتاً شیئروں کی قیمت میں بھاری گراوٹ آئی اور NITC کی سرمایہ کاری ڈوبنے لگی۔ کالے کی رپورٹ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اُس وقت کے کمپنی کے وائس چیئرمین کشور چوکر (Kishore Chauker) نے شیئروں کی اندرونی تجارت (Internal Trading) کر کے اپنے فی شیئر کو 69 روپے میں فروخت کیا۔ جب کہ اس وقت شیئر کی قیمت محض 33 روپے تھی۔ اس طرح چوکر نے اپنے لاکھ شیئر فروخت کر کے 69 لاکھ روپے بنائے۔ لیکن اس دھوکہ دھڑی میں پنڈسے نے بھی ہاتھ بٹایا۔ چوکر پر یہ بھی الزام ہے کہ انھوں نے کمپنی کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ پنڈسے کا کہنا ہے کہ 30/اپریل 2001 کو جولائی تا دسمبر 2000 تک کے کمپنی معاملات پر غور و خوض کے لیے میٹنگ طلب کی گئی۔ اس میٹنگ میں چوکر نے پنڈسے کی ایک رپورٹ سے اس صفحہ کو پھاڑ کر پھینک دیا اور میٹنگ میں شریک بورڈ کے ممبران سے بھی ایسا ہی کرنے کے لیے کہا۔ دراصل اس صفحے میں NITC کی غلط ڈھنگ سے کی گئی سرمایہ کاری کے متعلق درج تھا۔ چوکر کا کہنا تھا کہ یہ بات عام ہونے سے سب کی سرزنش ہو گی۔ کالے کی رپورٹ میں دوسرے بورڈ ممبران کی کارکردگی پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ TFL پر بھی یہ الزام ہے کہ اس نے اپنی سرمایہ کاری کے متعلق RBI اور SEBI کو غلط اطلاعات فراہم کیں۔ اب اس کے خلاف SEBI, RBI کے علاوہ Department of Company Affaires کی جانچ چل رہی ہے اور Chartered Accountants of India (ICAP) بھی فرگوسن کی کارکردگی کا جائزہ لے رہی ہے۔

سر دست ٹاٹا گھرانا TFL کی مالی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے پھر سے اس میں 500 کروڑ مہیا کرانے کا وعدہ کیا ہے۔ اس قدم سے TFL کے سرمایہ کاروں اور عام لوگوں میں اعتماد بحال ہو گا یا نہیں، یہ تو وقت بتائے گا لیکن اس حالیہ بد عنوانی کے معاملے نے اس خیال کو تقویت ہی پہنچائی ہے کہ کارپوریٹ بد عنوانیاں کسی بھی ملک میں ہو سکتی ہیں۔

□□□

250, Jhelum Hostel, JNU., New Delhi-67

علیم صبا نویدی

تملناڈو میں اردو شعر و ادب — کل اور آج

جنوبی ہند آج جس قطعۂ زمین کو کہتے ہیں اس میں چار ریاستیں ہیں، آندھرا، کرناٹک، تمل ناڈو اور کیرالا۔ ریاستِ تملناڈو کبھی ریاستِ مدراس کے نام سے موسوم تھی جس میں موجودہ کرناٹک کے بہت سے علاقے شامل تھے۔

جنوبی ہند کی تہذیبی، لسانی و ثقافتی تاریخ جاننی ہو تو ہمیں عربوں کی آمد، فتوحات، تجارت وغیرہ کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس کے بغیر تاریخ کے بہت سے گوشے چھوٹ جائیں گے۔

ساحل کورومنڈل (یا کارومنڈل) پر مسلمان عربوں کی آمد اور ان کی نو آبادیات کے قیام سے متعلق تاریخ میں ایک طویل باب ہے۔ اجمالاً اگر کہیں تو یہ عرب بغرضِ تجارت ساحل کارومنڈل، مالابار، سوماترا، جزائرِ بحرِ ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے تھے۔ مغربی ساحل مالابار اور مشرقی ساحل کارومنڈل پر جو عرب اُترے تھے انھوں نے بغرضِ اشاعتِ اسلام یہاں قیام بھی کرلیا تھا۔ لامحالہ ان کی زبان عربی کا اثر مقامی بولیوں پر پڑا اور سیکڑوں الفاظ روزمرہ میں کھپنے اور ترمیم پاتے رہے۔ پہلا عرب سیاح سلیمان تاجر ہے جس نے عراق کی بندرگاہ سے چین تک کا سفر کیا تھا۔ اس نے اپنا سفر نامہ 851 میں لکھا تھا۔ وہ مدراس کی بندرگاہ کو "کولم ملی" کہتا ہے۔ یہاں اس نے جہاز بنانے اور مرمت کرنے کے کارخانے کا ذکر کیا ہے۔ (سید سلیمان ندوی "عرب و ہند کے تعلقات") اہلِ عرب جنوبی ہند کے مغربی ساحل کو مالابار اور مشرقی ساحل کو معبر کہتے تھے۔ معبر کے معنی ساحل کے ہیں، معبر کا دوسرا مشہور نام کارومنڈل بھی ہے۔ اس ساحل پر سلطان علاء الدین خلجی نے 1296ء تا 1316ء حکومت کی تھی۔ اس کے سپہ سالار ملک کافور نے 709ھ (1309ء) میں کرناٹک فتح کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے دور ہی میں اس کے فوجیوں میں ایک زبان کی بنیاد پڑی جس پر اردو کی اولین چھاپ تھی۔ یہ زبان فارسی، کھڑی بولی اور عربی تینوں زبانوں کا ایک سنگم تھی۔ پھر محمد تغلق کا دور آیا تو آٹھویں صدی ہجری کی تمدنی زندگی کا اثر اس زبان پر پڑا۔ بیجانگر کے ماتحت شہر فاکنور (برکور۔ ریاست مدراس) میں بہت سے مسلمان بسے ہوئے تھے۔ ان میں قاضی، خطیب اور دیگر اعلیٰ عہدے دار ان کے اثر سے عوام میں ایک زبان رائج ہوئی۔ حضرت نطہر اولیا نے ساتویں صدی ہجری میں ترچناپلی میں آکر مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان کے زیرِ اثر ترچناپلی اور مدورائی میں مذہبی تعلیم کی ترویج میں جو زبان استعمال ہوئی، اس پر عربی اور فارسی کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ ان کے خلفا میں بابا فخر الدین گنج الاسرار کا نام ملتا ہے۔ وہ پنکنڈہ کی طرف اشاعتِ اسلام کے لیے بڑھے اور یہیں قیام کیا اور یہیں وفات بھی پائی۔ ان کی وفات 17 جمادی الثانی 694ھ (1295ء) میں ہوئی تھی۔ ان کے باعث اردو زبان کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔ ادھر ناگور میں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے مرید شیخ شاہ الحمید میراں سید عبدالقادر ناگوری نے قدم جمائے۔ (متوفی 1570 بمطابق 978ھ) ان کے دور میں تنجاور کے راجہ نے ان کو اشاعتِ اسلام کی پوری اجازت دے دی تھی اور اس میں اس نے کبھی رکاوٹ پیدا نہیں کی، بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ان کی مدد بھی کی تھی۔

عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کی حدود میں کرناٹک کا بڑا حصہ آگیا تھا۔ یہاں نصرتی، مومن، شاہ سلطان ثانی، شاہ عالم شغلی، شاہ مرتضیٰ گیلانی، شاہ صادق حق نما آرکاٹی وغیرہ نے اپنی شعر و شاعری سے اس زبان کو ترقی دی۔ شہنشاہ جہانگیر نے 1098ھ (1986ء) میں بیجاپور میں عادل شاہی حکومت کا اور 1099ھ (1687ء) میں گولکنڈہ حکومت کا خاتمہ کیا۔ اس نے نواب ذوالفقار خاں کو (1104ھ 1692ء) میں کرناٹک کا نواب بنایا اور دکن کا صوبہ اس کے حوالے کیا۔ نواب نے 1103ھ (1691ء) تسخیر کرناٹک کے دوران پالار ندی کے کنارے جنگل کٹوا کر اپنے خیمے نصب کروائے تھے (تمل زبان میں آر کے معنی ندی اور کاٹ کے معنی جنگل کے ہیں، اسی مناسبت سے آرکاٹ بنا)۔

نواب ذوالفقار خاں بڑا علم دوست اور عالموں کا سرپرست ثابت ہوا۔ اس کے دور میں کرناٹک میں اردو زبان و ادب کی خوب ترقی ہوئی۔ فارسی کے مشہور شاعر ناصر علی سرہندی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ عادل شاہی سلطنت کی تباہی کے بعد بہت سے شعرا کرناٹک چلے آئے، ان میں ہاشمی بیجاپوری، محمد رضا قزلباش خاں امید کے نام شامل ہیں۔

کرناٹک میں خاندانِ نوائط کی حکومت 1743 میں قائم ہوئی تھی۔ نواب داؤد خاں جانشین نواب ذوالفقار خاں کے دہلی واپس طلب کرلیے جانے پر نواب سعادت اللہ خاں (دیوانِ کرناٹک) کو نیابت نصیب ہوئی (1122ھ 1710ء) نواب سعادت اللہ خاں، خاندانِ نائط کا کرناٹک میں

نمائندہ تھا۔ اس کے دور میں اہلِ نائط نے علم و ادب میں بڑی ترقی کی۔ اس کا پایۂ تخت جنجی میں نصرت گڑھ کے نام سے مشہور تھا۔ آرکاٹ کے اطراف و اکناف کے علاقوں ویلور، آمبور، وانمباڑی، سات گڑھ، پیارم پیٹ، ترپاتور وغیرہ میں لوگ آباد ہوتے گئے اور اہلِ نائط نصرت گڑھ، جنجی، ترچناپلی، چیت پیٹ، چنگل پیٹ، محمود آباد، شہادت بندر، اور پورٹونوڈتک پہنچ گئے (ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال: مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما)۔ نواب سعادت اللہ خاں کے دور میں بیجاپور کے سید علی محمد حسینی قادری، صبغتہ اللہ، اور حضرت عبدالقادر میران شاہ ولی اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور کے مورخ جسونت رائے منشی نے اپنی تاریخ "سعید نامہ" میں بڑی تفصیل سے نواب موصوف کی شاعری اور اس دور کے شعر و ادب کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے دربار میں فارسی اور دکنی کے باکمال شعر اجمع ہو گئے تھے۔ جن میں غواصی، وجہی اور نصرتی کے کلام پر تبصرے اور بحثیں ہوتی تھیں۔ سید شاہ عبدالقادر میران شاہ ولی اللہ کے فرزندوں نے علم و ادب کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے علاوہ شیخ محمد امین اسرائیلی اور جسونت رائے منشی نے نثر و نظم دونوں میں اپنی تحریریں چھوڑی ہیں۔ نواب سعادت اللہ خاں کے بعد ان کا لڑکا علی دوست خاں نواب ہوا۔ اس دور کے ادیبوں اور شاعروں میں زین العابدین دیوان کا نام سر فہرست ہے۔ نواب انورالدین کا عہد (1744 تا 1748ء) محض جنگ و جدال سے بھرپور تھا۔ پھر والا جاہی دور کا آغاز ہوا۔ نواب محمد علی خاں والا جاہ کے دور میں علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں عروج پر نظر آتی ہیں۔ لکھنؤ کے مشہور عالم ملک العلماء بحر العلوم عبدالعلی فرنگی محلی 1790 میں نواب موصوف کی دعوت پر مستقل طور پر اپنے خاندان کے ساتھ مدراس میں قیام کی غرض سے آگئے۔

نواب محمد علی خاں والا جاہ کے بعد ان کے فرزند نواب عمدۃ الامراء ممتاز (1795 تا 1801ء) کا دور آیا جو بہت مختصر رہا۔ یہی عہد ٹیپو سلطان کی ہزیمت اور شہادت کا بھی ہے۔ اس دور میں انگریزوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا۔ اس نواب کے فرزند علی حسن خاں تاج الامراء ماجد 1801 میں مسند نشین ہوئے، جو خود شاعر تھے اور ماجد تخلص کرتے تھے۔ اس دور کے اہلِ علم و ادب میں نواب مستقیم جنگ نامی، حسین علی خاں افصح، حکیم عظیم الدین خاں تجمل لکھنوی، حافظ فضل علی ممتاز دہلوی کے نام ہیں۔

نواب محمد علی خاں والا جاہ کے فرزند نواب حافظ محمد منور خاں امیر الامراء کے دوسرے لڑکے نواب عبدالعلی خاں، عظیم الدولہ بہادر کا عہد انگریزوں کے خلاف بغاوت کا دور تھا۔ اس دور میں مولوی باقر آگاہ ویلوری، مولوی ذوقی ویلوری، حکیم عظیم الدین تجمل، شاہ غوث جامی قادری غوثی، غلام محی الدین معجز آرکانی، مرزا علی بخت اظفری گورگانی وغیرہ کے علمی و ادبی کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔

جب انگریزوں کا پوری طرح تسلط ہو گیا تو تملناڈو کے بہت سے علماو شعرا اور ادبا نے حیدر آباد اور میسور کے علاقوں کا رخ کیا، تاہم اس دور میں نواب غوث خاں اعظم کی علمی و ادبی خدمات کو تملناڈو کی ادبی تاریخ سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کے دور میں بہت سے اساتذہ نے عربی، فارسی اور اردو میں تصنیف و تالیف کے کام کیے ہیں، ان میں تراب علی نامی، سید حسین شاہ حقیقت، حسن علی ماہلی، شمس الدین احمد، محمد ابراہیم بیجاپوری، قاضی ارتضیٰ علی خاں، مہدی واصف، غلام حسین خاں معاون، سید تاج الدین جیسے اہلِ قلم کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ اسی دور میں پوری ریاست میں مخیّر حضرات نے عربی و فارسی مدارس کھولنے شروع کر دیے جن میں مدرسۃ العروسیہ کیلا کرائے 1267ھ، مدرسہ سعیدیہ مدراس 1289ھ، مدرسہ معدن العلوم وانمباڑی 1301ھ، مدرسہ لطیفیہ ویلور 1302ھ، مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور 1305ھ وغیرہ چند اہم مدارس ہیں۔

اداروں کے علاوہ بعض اشخاص نے بھی ایک ادارے کی طرح تملناڈو کے علم و ادب کی سرپرستی کی ہے جن میں چند نام یہ ہیں۔ یہ لوگ مذکورہ ادوار کے بعد کے ہیں: شاکر وانمباڑی، خطیب باد شاہ وانمباڑی، نصیر بلیچوری، فخر باقوی، مولانا امانی پلی کنڈوی، حبیب اللہ، نشوی باقوی، گوہر ویلوری، ایمان گوپاموی، ضو ویلوری، اس دور کے بعد فہیم آمبوری، شاکر نائطی، مقبول آمبوری، کمالی ویلوری، عباس علی عباس، آسی ترپاتوری، رحیم احمد فاروقی آزاد وغیرہ کا دور آتا ہے۔ ان حضرات کے بعد آنے والوں میں شاداں و شاری، قدیر آمبوری، دانش فرازی، عظیم آمبوری، محبوب پاشا، عبدالعزیز عادل، آثم کرنولی، حیرت القادری، جائل القادری، مائل القادری، حضرت نثار گری، فدوی باقوی، اسمٰعیل رقیمی، حسرت سہروردی، عبدالقادر نویدی، کمال مدراسی، بشیر احمد قابل، فہمی کرشنگری، منیر رشیدی، جلال مدنی، مختار بدری وغیرہ ہیں۔ پھر کاوش بدری، فرحت کیفی، راز امتیاز اور عزیز تمنائی متاثر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت دانش اور حضرت کاوش آمبور کے ہیں اور دونوں صاحبِ تصنیف ہیں۔ ان دونوں شعرا نے غزل اور نظم کو اپنے طور پر ایک نیا لہجہ دیا، بالخصوص نظم معریٰ میں دانش فرازی نے جو محاکاتی انداز کے تجربے کیے وہ اردو شاعری میں ایک گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرحت کیفی اور راز امتیاز دونوں نے ایک حد تک مروجہ اسلوب سے بغاوت کی ہے۔ عزیز تمنائی نے سانیٹوں میں اور فرحت کیفی نے ترائیلوں میں اپنی شناخت بنائی ہے۔ سانیٹ کے تعلق سے نثار بھارتی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔

بعد کی نسل میں راقم الحروف علیم صبا نویدی، حسن فیاض اور راہی فدائی کے نام نمایاں ہیں۔ نورس خیامی، اریب بھارتی، محی الدین عارف، اعجاز شاکری، لطیف نازی، راجی صدیقی، بدر جمالی کے ناموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ علیم صبا نویدی نے مختلف تجربے کیے مثلاً آزاد غزل، نثری غزل، ہائیکو اور نعتیہ سانیٹ) نثر نگاری میں بھی انہماک دکھایا۔ مولانا راہی فدائی اپنی شاعری کے اچھوتے انداز کی وجہ سے اپنی الگ پہچان بنا چکے ہیں۔ حسن فیاض اور کاظم نائطی نے بھی غزل کے نئے مزاج کو قبول کیا۔ سالک نائطی کا نام اس لیے اہم ہے کہ وہ روایت پسند ہونے کے باوجود جدید تقاضوں کو پہچانتے ہیں۔ غزل ان کی پسندیدہ صنف ہے ہی مگر انھوں نے "عشقِ پیچاں" کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ آمبور، وانمباڑی، ویلور، ترپاتور، سلیم اور میل وشارم میں اور بھی قابلِ ذکر شعرا موجود ہیں: مولوی یعقوب اسلم، تمنا یوسفی، عبدالرؤف نیاز، مخدوم اشرف، ابوالبیان حماد، حافظ باقوی، سہیل راشد، اکبر زاہد، جلال مدنی، منیر رشیدی، فہمی کرشنگری، نواز آمبوری، مختار بدری، تبسم رشید، رونق اعظمی، منیر احمد، سراج زیبائی وغیرہ سے اس علاقے میں خاصی ادبی چہل پہل ہے۔ □□□

No. 26, Ameerunissa Begum St., Mount Road,
Chennai-600 002.

پروفیسر گوپی چند نارنگ کی ایک اور گراں قدر تنقیدی و تحقیقی کتاب
شائع ہوگئی ہے

اردو غزل اور ہندستانی ذہن و تہذیب

☆ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے سارے گوشوں پر نظر رکھتے ہیں۔

آل احمد سرور

☆ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ادبی مطالعہ کے ایک نئے زاویے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شعروادب ملکی تہذیب کی پوری تصویر بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نارنگ کی سعی و جستجو سے اس مطالعہ کے لیے زمین ہموار ہوگئی ہے...

سید احتشام حسین

☆ گوپی چند نارنگ اردو کے مزاج داں ہیں اور کلاسیکی ادب پران کی نظر گہری ہے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

☆ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اردو شاعری کے دیسی عناصر پر اتنی تحقیق کی ہے اور اس مضمون کے ہر پہلو کا اتنا گہرا مطالعہ کیا ہے کہ ان کو اس مضمون کا ماہر خصوصی سمجھنا چاہیے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب

صفحات: 464 قیمت: 250 روپے
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

رتن ناتھ سرشار

("فسانۂ آزاد" جلد اوّل سے اقتباس)

ضعیف الاعتقادی

کوچہ گردوں کے پشت پناہ، رہ نوردوں کے قبلہ گاہ، قلمرو وحشت کے شہنشاہ ذی جاہ میاں آزاد کو ایک دن شوق چرایا، کہ کسی مسجد میں جاکر نماز دوگانہ پڑھیں۔ سوچے کہ آج یوم الجمعہ، روز آدینہ ہے۔ مکتبوں میں یہ آزادی کا سکہ بٹھاتا ہے۔ مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آج کے مبارک دن سے سبزہ و گل بھی ہزار زبان سے وحدہٗ لاشریک لہٗ گویا ہے۔ بلبل رنگین گفتار کو وظیفۂ معشوقِ حقیقی وردِ زباں ہے۔ طاؤس طناز فرطِ طرب سے رقص کناں ہے۔ طوطی مثل محلّہ پوشانِ جنان سبز پوش ہے۔ صوفی صافی نشۂ بادۂ ماعرفناک حق معرفتک میں سرخوش و مدہوش ہے۔ جدھر دیکھو تسبیحیں کھٹاکھٹ چل رہی ہیں۔ شراب عرفان کی مٹھوریں جوش سے ابل رہی ہیں۔ بارک اللہ! کیا روز برکت آثار ہے، کہ ہر در و دیوار فیض بار ہے۔ جمعہ رہ گم کردگان بادیۂ ظلمت کے لیے چراغِ سراغ ہے۔ جمعہ عرفان کا پھلا پھولا باغ ہے۔

میاں آزاد ایسے مزے میں آئے کہ معاً چل کھڑے ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ بڑے بڑے زہاد، اور مولانا بالعلم والفضل اولنا، اور قاضی و مفتی، شیخ و شاب، عمامۂ فضیلت بر سر، اور قبائے معرفت در بر باجبہ و دستار بصد فخر و افتخار، چلے جاتے ہیں۔ چہرے سے نور الٰہی برستا ہے۔ اتنے میں دو رندانِ ساغر نوش بصد جوش و خروش، جن اور چڑیل کی باتیں کرتے، ان کے قریب آئے۔ ایک لحیم و شحیم دوسرا لاغر۔

لحیم: یار تم تو مغز کے بھیجے، کے گودے کے کیڑے تک چاٹ گئے۔ بڑے سنکی ہو۔ لاکھوں دفعہ سمجھایا کہ یہ سب ڈھکوسلا ہے مگر تمہیں تو کچھ گھڑے کی چڑھی ہے۔ تم کب سب سننے والے ہو۔ مرد آدمی یہ سب لغو باتیں ہیں۔ واللہ بنی ہوئی باتیں ہیں۔

لاغر: قبلہ مرد آدمی تو خواہ مخواہ آپ ہی ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب تن و توش واللہ گینڈے بنے ہوئے ہو۔ یار کس چکی کا پیسا کھاتے ہو۔ موٹے آدمی تو بہت دیکھ ڈالے مگر واللہ ہے، جو ایسی کلائی ایک کی ہو۔ مثلاً پھٹا پڑتا ہے، مگر استاد یاد رکھو:

اسپِ لاغر میاں بکار آید
روز میدان نہ گاؤ پرواری

جیسے تم بھدے ویسی تمہاری عقل بھدی۔

لحیم: بجا ہے پیر و مرشد! یونان کے حکما کا سرتاج تھیولز بھی بڑے تن و توش کا آدمی تھا۔ مگر اچھے اچھے حکیم اریب اور علمائے ادیب، اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔ یہ بحث میں موٹے اور دبلے سے کیا واسطہ۔ اگر آپ بھوت پریت دکھا دیں تو ٹانگ کے راستے نکل جاؤں۔

لاغر: ہاں۔ یہ دعویٰ بھی پرسوں ہی کا تذکرہ ہے کہ میرے ایک دوست نے آدھی رات کے وقت دیوار پر ایک چڑیل دیکھی۔ چوٹی تا بناف، اور چمچے کا موباف۔ بال بال موتی پروئے ہوئے، یہ مسٹ مارنے پڑے رہے۔ منکے تک نہیں مگر آپ کہہ دیں گے جھوٹ ہے۔

لحیم: بھائی یہ سب غپ ہے۔ یہ واہمہ وہ بلا ہے جو صورت بناوے، اور سناوے، حس و حرکت دکھاوے، چلا پھرا دے۔ واہمہ خلاق ہے۔ آپ کیا جانیں۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ہے آپ کی، اور میاں کروڑ باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ بے دیکھے ایں جانب نہ پتیائیں گے، لوگ بات کا بتنگڑ سوئی کا بھالا۔ بدررو کا نالہ بنا دیتے ہیں۔ ایک صحیح تو ننانوے لغو۔ پا کھڑکا اور بندہ سرکا، اور آپ ایسے ڈھلمل یقین حضرات کا تو کہیں ٹھکانا ہی نہیں، جو سنا فوراً تسلیم کر لیا۔ برہان و دلیل سے سروکار نہیں۔ رات کو درخت کی پھنگی پر بندر دیکھا اور روح فنا ہو گئی کہ پریت جھانک رہا ہے۔ بولے اور ٹینٹوا لیا۔ کلبلائے اور گلا دبوچا۔ ذرا ہلے اور شامت آئی۔ اندھیرے گھپ میں تو یوں انسان کا جی گھبراتا ہے۔ اور جو بھوت پریت کا خیال جم گیا تو ساری چوکڑی بھول گئے۔ ہاتھ پاؤں سب پھول گئے۔ بلی نے میاؤں کیا اور مرغ روح قفس تن سے پرواز کر گیا۔ چوہوں کی کھڑ بڑ سنی، اور بل ڈھونڈھنے لگے۔ اب جو چیز سامنے آئے گی پریت بن جائے گی۔ اس وحشت کے قربان میاں بندۂ درگاہ سب پاپڑ بیل چکے ہیں۔ کئی جن ہم نے اتارے کئی چڑیلوں سے ہم نے محلے خالی کرائے، جہاں دس جوتے کھوپڑی پر جمائے اور پریت نے بقچہ سنبھالا۔ میاں ہم جیتے جاگتے بھوت ہیں اور پڑھے لکھے جن۔ یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے۔ کوئی ہم پر بلاوے تو جانیں، اور یوں گپ اڑانے کو کہیے تو ہم بھی بے پر کی اڑانے لگیں۔ یاد رکھو یہ عامل وامل، سب رنگے سیار ہیں۔ ع۔ "روٹی تو کما کھائے کسی طور مچھندر" بندر نہ نچائے۔ مرغ نہ لڑائے، پتنگ نہ چپکائے، بھوت پریت

● فسانۂ آزاد کلاسیکی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ فنی اعتبار سے یہ داستان اور ناول کے درمیان کی صنف ہے۔ فسانۂ آزاد نہ صرف زبان و بیان اور معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے بلکہ اپنے دلچسپ کرداروں کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ فسانۂ آزاد کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

ہی جھاڑنے لگے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ بھوت پریت، چڑیل برہ راکس، کو مانو تو پھر لونا چماری اور نٹ تیجاجیتا کی بھی بیعت لاؤ۔ اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ لونا چماری کو کوئی بھی مانے گا۔ ارے غضب! ارے ستم!

لاغر: خیر اس تو تو میں میں سے کیا واسطہ۔ چلیے ہمارے ساتھ یہاں سے کوئی دو تین کوس کے فاصلے پر گاؤں ہے۔ وہاں ایک صاحب رہتے ہیں۔ اگر آپ کی کھوپڑی پر ان کے عمل سے بھوت نہ چڑھ بیٹھے تو گدھے کے پیشاب سے مونچھ منڈا ڈالوں۔ کیسے کا شریف نہیں چمار ہے۔ بس اب چلیے۔ دعویٰ بے دلیل کے مہمل ہوتا ہے۔ بندہ بدیہی ثبوت دے گا۔ آپ نے تو جہاں ذرا سی چڑھائی اور بس کہنا شروع کیا کہ سب پوچ۔ سب ہیچ۔ پیر و پیمبر۔ دیبی دیوتا۔ بھوت پریت۔ حور قصور، شیطان۔ خبیث۔ بہشت دوزخ تک کے آپ قائل نہیں لیکن آج ٹھیک بتائے جایئے گا۔ یہ کہہ کر وہ دونوں اس گاؤں کی طرف چلے۔ میاں آزاد تو دنیا بھر کے بے فکرے تھے ہی۔ شوق چرایا کہ چلو سیر دیکھ آئیں۔ اچھی دل لگی ہو گی۔ یہ بھی ان خیالات دقیانوسی کے جانی دشمن تھے، اب کہاں تو مسجد جاتے تھے کہ نماز دوگانہ پڑھیں، کہاں چھوچھکے کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ مسجد کو دور ہی سے سلام کیا، اور سیدھے سرا چلے۔ ارے کوئی اِکّہ کرایہ کو ہو گا؟ کوئی اِکّے والا ہے۔ ارے میاں کوئی بھٹیارا اِکّہ بھاڑے کرے گا۔ جی ہاں کہاں کو جایئے گا۔ کہاں کو؟ سک جملدی پور۔ کیا دیجیے گا؟ پہلے گھوڑا اِکّہ تو دیکھیں۔ گھر گھوڑا نخاس مول۔ وہ کیا کمانی دار اکّہ کھڑا ہے۔ یہ سرنگ گھوڑی ہے۔ ارے، توبہ! مریل، دبلی پتلی، ہڈی ہڈی گن لو، یہ تو کوئی نو دن میں اڑھائی کوس چلے گی۔ کون؟ یہ گھوڑی۔ واہ حضور۔ ہوا سے باتیں کرتی جاتی ہے۔ بیٹھے اور دن سے پہنچے، واہ وا۔ گھڑیا کیا ریل کا انجن ہے کہ چلتے ہی الوپ انجن ہو جاتی ہے اچھا کسو چار آنے دیں گے۔ دھیلی کے پیسے لیں گے۔ میاں آزاد دوسری طرف چلے۔ پھر پلٹے اچھا پانچ آنے۔ ناہیں کھداوند! سات گنڈے سے کوڑی کم نہ لیں گے۔ اچھا کسو۔ اتنے میں میاں آزاد نے ایک صاحب سے پوچھا کیوں حضرت اس گاؤں کو "سک جملدی پور" کیوں کہتے ہیں؟ بندہ نواز اس کی بڑی داستان ہے۔

ایک صاحب تھے شیخ جمال الدین انھوں نے گاؤں بسایا اور شوق چرایا کہ اپنا پورا نام رکھ دیں۔ شیخ جمال الدین پور انام رکھا۔ گنوار آدمی شیخ جمال الدین کیا جانیں انھوں نے شیخ کا سک اور جمال کا جمل، اور الدین کا دین کر دیا۔ اتنے میں اکّے والے نے آواز دی کہ یکہ تیار ہے۔ میاں آزاد جلدی سے اکّے پر سوار ہوئے۔ اور اِکّہ کھڑ کھڑاتا چلا۔ اثنائے راہ میں انھوں نے پوچھا کہ کیوں بھئی دن بھر میں کیا مل رہتا ہو گا؟ اے حجور! اب رجگار کہاں، صبح سے شام تک جو ملا چر ندم پر ندم۔ دو ڈھائی آنے جنور کھا گیا۔ دو تین گنڈے گھر کے خرچ میں گئے، دھیلے پیسے کا سلیھا تاخواز لیا۔ پھر موچی کے موچی۔ مہاجن کے پچیس روپے چھے مہینے سے بیباک نہ ہوئے، اور جو کہیں کچی میں چار پانچ کوس لے گئے، تو پنھیاں دھنس گئیں۔ سنی ہاں دھرے ورے انجر پنجر سب نکل گئے۔ دو چار کے ماتھے گئی۔ اور میاں رجگار تو تمھاری سلامتی سے تب ہو، جب یہ ریل اڑ جائے۔ اس نے سب رجگار لے ڈالے۔ اب آپ ہی نے سات گنڈے جملدی پور تک کے دیے۔ مٹل تین چکر لگا کر۔ یہ تو رجگار رہ گیا ہے۔ مل مل کے پیسہ نکلتا ہے۔ کوئی دو پونے دو گھنٹے میں میاں آزاد سک جملدی پور پہنچے۔ پتا دتا تو ان کو معلوم ہی تھا۔ سیدھے چلے اور عامل کے مکان پر کھٹ سے داخل۔ اللہ اللہ بڑی بھیڑ ہے۔ خلقت ہے کہ اُمڈی چلی آتی ہے۔ عورت مرد ٹوٹے پڑتے ہیں۔ تماشائیوں کا تانتا لگا ہے۔ ایک آدمی سے انھوں نے پوچھا کیا آج یہاں میلا ہے؟ ناہیں میلا ویلا ناہیں۔ ایک معٔی کے موڑ پر آج پریت آئے ہے، تون مہرار ومنسر دسب دیکھے آوت ہیں۔ ہاں ہے دل لگی۔ اس جھنڈ میں انھوں نے اس کیم و شحیم آدمی کو ڈھونڈھ نکالا۔ جو دعویٰ کر کے آئے تھے کہ بھلا ہم پر تو کوئی پریت بلا دے اور تنہا ایک گوشے میں لے جا کر یوں کہا۔

آزاد: میاں، ہم اس وقت مسجد کے پاس تمھاری چہ میگوئیاں کان دھرکے سن رہے تھے۔ بربّ کعبہ جو آج تک ہم کبھی بھوت پریت کے قائل ہوئے ہوں۔ یار اب کچھ ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اس عامل کی قلعی کھل جائے۔

کیم: اور میں آیا کس فکر میں ہوں۔ آپ خاموش رہیں دیکھیے میں ابھی ابھی ٹھیک بناتا ہوں۔ ساری مشیخت کرکری ہو جائے تو سہی۔ آج ہی تو چھنے ہیں چڈا اگل خیر و۔ ایسا دباؤں کہ چھٹی کا دودھ نکل پڑے۔ اب ہم ایک سے دو ہوئے۔

اتنے میں عامل صاحب عباسی تہ بند باندھے، لمبے لمبے بال بڑھائے، حنا کا تیل پڑا ہوا۔ چپیاں جمی ہوئیں، مانگ نکالے، کھڑاؤں پہنے تشریف لائے۔ آنکھوں سے جلال برستا تھا۔ جس کی طرف نظر بھر کر دیکھا وہی کانپ اٹھا۔ کسی نے قدم لیے کسی نے سر ٹیک کی۔ اور انھوں نے غل مچانا شروع کیا کہ دھونی میری جلتی ہے، جلتی ہے اور ملتی ہے۔ دھونی میری جلتی ہے۔ کھڑی مونچھیں اور چڑھی داڑھی لمبے گیسو والا ہے، لمبی زلفوں والا ہے۔ میرا درجہ اعلیٰ ہے۔ جھوم جھوم کر جو انھوں نے ہانک لگائی تو حوالی موالی سب سناٹے میں ہو گئے۔ ایک دفعہ ہی بآواز بلند پکارا کہ کسی کو دعویٰ ہو تو آ کر کشتی لڑے۔ ہاتھی کو ٹکر دوں تو چنگھاڑ کر نوک دم بھاگے۔ (خم ٹھوک کر) آ! کون آتا ہے۔ اب سنیے کہ پہلے سے ایک شخص کو سکھا پڑھا رکھا تھا، وہ تو سدھا ہوا تھا ہی، جھٹ کھڑا ہو گیا۔ ہم لڑیں گے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک ڈنڈ پیل کشتی

کیر مقابلے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ تین انچھ کی دبیز گردن گینڈا بنا ہوا۔ خدا ہی خیر کرے۔ مگر عامل کی وہ ہوا بندھی تھی کہ لوگ اس پہلوان کی حالت پر افسوس کرتے تھے کہ بیدھا ہے۔ عامل چٹکیوں میں زور سحر سے چُرمُر کر ڈالے گا۔

الغرض دونوں آمنے سامنے آئے، اور عامل نے گردن پکڑتے ہی زمین پر دے پٹکا۔ وہ مارا کا دو گگڑا برس گیا اور پہلوان پندرہ منٹ تک بے ہوش بنا رہا۔ میاں آزاد نے کیم سے کہا کہ یہ ملی بھگت ہے۔ اسی طرح گنوار معتقد ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا ابھی میں ایسے مزوّروں کی قبر تک سے واقف ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میاں عامل نے پھر اکڑتے ہوئے بانک لگائی۔ کوئی اور زور آزمائے گا؟ میاں آزاد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، چٹ لنگوٹ باندھ دھم سے کود پڑے۔ آؤ استاد ایک ایک پکڑ ہم سے بھی ہو جائے، تب تو عامل صاحب چکرائے، کہ یہ اچھے بگڑے دل ملے، پوچھا آپ انگریزی خوان ہیں؟ آزاد نے کڑک کر کہا حضرت میں ہفت خوان ہوں۔ بس اب سنبھلیے میں آگیا۔ یہ کہہ کر گھٹنا ٹیک کر قلاجنگ کے پیچ پر مارا۔ چاروں شانے چت۔ عامل زمین پر دھم سے گرے۔ ان کا گرنا تھا کہ میاں آزاد چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔ اب بتاؤ بچا کاٹ لوں ناک؟ کتر لوں کان؟ باندھوں دم میں نمدا، بات تیرے کی عامل بنے ہیں۔ کیم نے جھپٹ کر آزاد کو گود میں اٹھالیا۔ واہ استاد کیوں نہ ہو۔ میاں عامل کی ساری شیخی خاک میں مل گئی۔ گنواروں کا عقیدہ جاتا رہا۔ بیچارے کو اسی دن گاؤں چھوڑنا پڑا۔ صحرائے دشت نوردی کے گرو وذی جودت و قار میاں آزاد اس رنگ سے یار عامل کو نیچا دکھا کر اور گاؤں کے ڈھلمل یقین گنواروں کو سیدھے ڈھرے پر لگا کر میاں کیم نہیم کو ساتھ لے ہاتھ میں ہاتھ دے شہر کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں اسی عامل کی باتیں مزے مزے کی چہ میگوئیاں کھلی بازیاں، ٹھٹھے ہوتے جاتے ہیں۔ کیوں پیچ کہا کیسا اڑنگا دیا بہت ہلبلا رہے تھے چڑا:

سمجھے تھے اب میرا کوئی سر کوب ہی نہیں
فرعون کے لیے کوئی موسیٰ نہ آئے گا

یہاں استادوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ پور پور میں پھکیتی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ ایک ایک پیچ کے دو دو سو توڑ یاد ہیں۔ گھٹنوں لڑوں، ہاپنچے کا نام نہ لوں۔ ممکن کیا کہ دم ٹوٹے لڑتے کا تو گینڈا ہی اس کا نہ تھا۔ گردن موٹی نہیں، چھاتا چوڑا نہیں، بدن کسا پٹا نہیں کان ٹوٹے نہیں، چتونوں سے تاڑ گیا کہ گھامڑ ہے۔ گردن پکڑتے ہی چرمر کر ڈالا۔ مارا چاروں شانے چت دھڑ سے زمین پر گرے اور ادھوں۔ بہت بلون پر تھے بچہ جی۔ عامل کی دم بنے تھے یاد ہی تو کرتا ہوگا۔ قسم حسین! کی جو ان باتوں کی ذرا بھی اصلیت ہو۔ کیا پرت ہو؟ کس کا بھوت، کہاں کی چڑیل۔ سب ڈھکوسلا، سب گپ، مگر خلقت بھی کیا بھیڑیا دھسان ہے۔ سن لیا چاہیں بس فوراً ایمان لائیں اور سنیے ایک مرتبہ ایک بنے ہوئے سدھ پالتھی مار کر بیٹھے، اور لگے بکارنے کہ کوئی چھپا کر ہاتھ میں پھول لے، ہم چٹکیوں میں بتادیں گے۔ آگ لگ گئی، واللہ! شعلے بدن سے نکلنے لگے۔ میں نے کہا اچھا ہم نے پھول لیا۔ آپ بتائیے تو سہی۔ پہلے تو آنکھیں نیلی پیلی کر کے مجھے ڈرانے لگے۔ میں نے کہا میاں عقل کے ناخن لو، میں ان گیدڑ بھبکیوں میں نہ آنے کا۔ یہ چٹکیوں کا تماشا کسی نادان کو دکھاؤ۔ لے بتاؤ بس بتاؤ۔ تھوڑی دیر سوچ ساچ کر بولے: زرد پھول ہے۔ میں نے کہا کہیں ہو نہ زرد اتنا کہنا تھا کہ کہاں پھول کا رنگ زرد بتاتے تھے کہاں خود حضرت کا چہرہ زرد ہو گیا۔ رنگ فق۔ ع "کاٹو تو لہو نہیں بدن میں" پھر گھبرا کر فرمایا کہ ارے دھوکا ہوا سبز پھول ہے۔ میں نے کہا واہ بھئی لال تجھکو کیوں نہ ہو۔ بھینس نہ کودی کودی گون، یہ تماشا دیکھے کون۔ ہرا پھول آج تک دیکھا نہ سنا۔ ایں گل دیگر شگفت۔ اچھا شگوفہ چھوڑا۔ واللہ یہ نیا گل کھلا۔ واہ نجمی۔ میرا اس قدر کہنا کہ ان کا گلاب سا چہرہ کھلا گیا۔ میری باتیں کانٹے کی طرح چبھنے لگیں۔ اور ادھر۔ لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ واللہ کوئی اس وقت ان کی بے کلی دیکھتا اور میں جامے میں پھولے نہ سماتا تھا۔ غنچے کی طرح کھلا جاتا تھا۔ ان باتوں سے انھیں ایسا خار ہوا کہ بگولا بن کے وہاں سے چا توڑ بھاگے۔ کیم نے کہا استاد واللہ باللہ ایک تم کو اپنا ہم صفیر ہمدرد دیکھا۔ یار ہم بھی یہ سب معرکہ جھیلے ہوئے ہیں، سب کھیل کھیلے ہوئے ہیں۔

سنیے ایک دفعہ ایک صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں، کہ ایک نیم ملا خطرۂ ایمان، لسان الغیب[1] بنے بیٹھے ہیں اور اچھے اچھے تربیت یافتہ ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ پوچھا آپ کی تعریف کیجیے۔ ایک صاحب نے جو اس مزوّر کا ایمان لا چکے تھے، دبے دانتوں کہا: شاہ صاحب غیب دان ہیں۔ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ دس پانچ نے تو ان کو آسمان ہی پر چڑھا دیا۔ میں نے کہا تو رند جو اسے جھنڈے ہی پر نہ چڑھاؤں۔ پوچھا کیوں شاہ جی صاحب قبلہ، یہ تو بتایئے کہ ہمارے گھر میں لڑکا کب تک ہو گا؟ شاہ جی سمجھے کہ یہ بھی نرے چونگائی ہیں۔ چلو اناپ شناپ بتا کر چونگا کرو، اور کچھ لے مرو۔ میرا اور میرے باپ دادا اور ان کے باپ کے پردادا کا نام پوچھا۔ یہاں حافظے کی یہ کیفیت ہے کہ باپ کا نام تو اکثر یاد بھی رہتا ہے، دادا جان کا نام کس ملعون کو یاد ہو، مگر خیر جو زبان پر آیا الول جلول بتایا۔ تو حضرت فرماتے کیا ہیں۔ بچہ دو مہینے کے اندر ہی اندر بیٹا لے۔ ہائیں! شاہ صاحب قبلہ ذری سنبھلے ہوئے۔ اب تو کہا اب نہ کہیے گا۔ دیکھیے میں بتائے دیتا ہوں۔ کیا خوب آپ اچھے ملے۔ ابھی حضرت کچھ خبر ہے۔

چندرہ دن تو بندے کی شادی کو ہوئے اور آپ فرماتے ہیں دو مہینے کے اندر ہی اندر لڑکا لے۔ واللہ دوسرا کہتا تو خون پی لیتا۔ اس فقرے پر یار لوگ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ کمرہ گونج اٹھا اور شاہ جی کے آئے حواس غائب ہو گئے۔ دل میں تو کروڑوں ہی صلواتیں سنائی ہوں گی۔ اے حضرت! کیا عرض کروں، اس جوار میں لوگ انھیں معاذ اللہ خدا سمجھتے تھے۔ شاہ جی کبھی روپیہ برساتے تھے، کبھی بے فصل کا میوہ منگاتے تھے۔ کبھی کمڑے کو چکنا چور کر کے پھر ثابت کر دکھاتے تھے۔ غرض کہ سیکڑوں ہی اکسیسمین یاد تھیں۔ مگر میاں میرے سامنے تو ایک نہ چلی۔ نام سنا تو ہکا بکا ہو گئے۔ صورت دیکھی اور تھر ا اٹھے۔ جیسے شاہ چور سے اور سانپ مور سے ڈرے۔ میاں آزاد نے مسکرا کر کہا کہ واللہ شاہ اور چور کی اچھی تشبیہ دی۔ بھئی سنو آزاد! ہم گنوار آدمی تین پانچ تو جانتے نہیں۔ ہمیں بات کرنا کیا آئے۔ یار ہم تو دوست کے دوست ہیں، مگر ایسے قابو چیون کے البتہ دشمن ہیں۔ جہاں میں ہوں بھلا کسی سدھ یا شاہ جی، یا عامل کا رنگ جم تو جائے، کیا مجال۔ رگید رگید کر اور کھدیر کھدیر کر ماروں۔ ادھر اکر دوں تو، وجہ کیا میں تو زمانہ بھر کا نیا ریا، چھٹا ہوا شہدا ایک ہی کائیاں ہوں نہ۔ مجھ سے اڑ جائیں گے کہاں۔ نیچے پاتال تک کی تو خبر میں لاؤں۔ اوپر آسمان میں تھگلی لگاؤں۔ مجھ پر بھلا وہ بچارے کیا ہاتھ صاف کریں گے۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ کیوں پیر و مرشد آپ انگریزی پڑھے ہیں؟ میاں آزاد نے کہا جی ہاں! کچھ شد بد جانتے ہیں آپ اپنا مطلب کہیں۔ یا حضرت ایک دو پٹی عرضی کا ترجمہ منظور ہے۔ میری ہفتاد پشت پر احسان کیجیے، اس کو فصیح انگریزی میں خوب نمک مرچ لگا کر لکھ دیجیے۔ نمک مرچ! نمک مرچ لگانا میں کیا جانوں۔ یہ کسی گول گپے والے سے کہیے۔ بندے نے کالج میں یہ علم پڑھا ہی نہیں۔

حواشی:

(1) لسان الغیب۔ خواجہ حافظ شیرازی کا لقب ہے۔ لوگ دیوان حافظ میں فال دیکھتے ہیں اور اپنے مستقبل کا حال اور غیب کی باتیں معلوم کرتے ہیں۔ اسی لیے حافظ اس لقب سے مشہور ہیں۔

□□□

اہلِ اردو کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر

اردو انسائیکلوپیڈیا

جو بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے

۳۲ علوم پر مشتمل تین کلیدی جلدیں شائع ہو گئیں

قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نے اردو میں پہلا مکمل اور بین الاقوامی معیار کا انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔ ابتدائی تین جلدیں ۳۲ علوم پر مشتمل ہیں۔ جملہ علوم پر مختصر نوشتے آٹھ جلدوں میں شائع کیے جائیں گے۔

سارا مواد بڑی دیدہ ریزی اور مشقت کے ساتھ سلیس زبان اور دلنشیں پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کاوش ہے جو آئندہ کئی نسلوں کو علم و دانش سے مالامال کرتی رہے گی۔ ادیبوں، صحافیوں، طلبہ اور علم دوست قارئین کے لیے ایک نادر تحفہ، ہر جلد اپنے آپ میں مکمل ہے۔

جلد اوّل، 578 صفحات، قیمت-/300 روپے۔ جلد دوم، 588 صفحات، قیمت-/450 روپے۔ جلد سوم، 614 صفحات، قیمت-/450 روپے

مندرجہ ذیل پتے پر لکھیں یا کسی کتب فروش سے حاصل کریں

قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

مشیر الحسن

پانچویں قسط

جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی

"اپنے موضوع پر دوبارہ لوٹتے ہوئے" کچھ سہمے سہمے تبسم کے ساتھ عزیز نے کہا، "میرا خیال ہے کہ یہ بات صاف کر دینا چاہیے کہ غالب ہی کی طرح میں بھی کسی شیعہ یا سنّی چربے کی پیروی نہیں کرتا ہوں۔ مجھے بھی مسلم دانشور یا مسلم تاریخ داں کہلانا بالکل پسند نہیں ہے۔

ہمایوں نے ایک اور سگریٹ سلگائی، "اس کا کیا مطلب ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ایک دفعہ مرزا غالب آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بکھرے ہوئے تاروں میں ایک صریح انتشار اور بے ترتیبی دیکھ کر انھیں بڑی حیرت ہوئی، اس وقت انھوں نے کہا، "خود مختار کے کسی کام میں نہ تو کوئی جواز ہے اور نہ ہی کوئی سبب، ستاروں ہی کو دیکھو سراسر بدنظمی ـــ نہ کوئی تناسب نہ کوئی نظم نہ کوئی معنی نہ کوئی مفہوم نہ ہی کوئی مرتب شکل۔ ان کا حکمراں، بہر حال، اقتدار مطلق رکھتا ہے اور کوئی اس کے خلاف ایک حرف زبان سے نہیں نکال سکتا۔" جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟

عزیز ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا، "کیا تم نے الہ آباد میں آر پی ترپاٹھی کا نام سنا ہے؟ کیا انھیں کوئی 'ہندو مورخ' کہتا ہے؟ تو پھر علی گڑھ کے محمد حبیب کو ایک مسلمان تاریخ داں کی حیثیت سے کیوں دیکھا جائے۔ اگرچہ ان کے بہت سے اعزاء بشمول خلیق الزماں پاکستان چلے گئے ہیں مگر ان کے والد محمد نسیم لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ حبیب صاحب کے بھائی آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ محمد مجیب ہیں۔ وہ دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پڑھاتے ہیں۔ جامعہ وہ ادارہ ہے جسے علی برادران، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری نے قائم کیا۔ ایک زمانے میں محمد علی اور شوکت علی کے نام زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کے دماغ نئے نئے خیالات اور نادر تجویزوں سے بھرے رہتے تھے، اگرچہ ان میں سے خاصی ناقابل عمل بھی ہوتی تھیں۔ تحریک خلافت کے زمانے میں یہ دونوں گاندھی جی کے دوست تھے۔ اس زمانے کا مقبول گانا تھا۔

بولی اماں محمد علی کی ـــ جان بیٹا خلافت پہ دے دو۔

عزیز نے اپنی بات ایک طویل وقفے کے بعد شروع کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو مولانا آزاد کے ایک سیکولر مسلمان کہے جانے پر بھی اعتراض ہے۔ کیا آپ پنڈت نہرو کو ایک سیکولر ہندو کہیں گے؟

چائے کی پیالیوں کی کھڑکھڑاہٹ میں قہقہوں کی آواز بھی شامل ہوگئی۔ ہمایوں نے ایک لمبا کش لیا، سگریٹ کی راکھ اپنے پیروں کے پاس جھاڑ دی۔

عزیز کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس غور و فکر کے بعد اس نے mindset کی بات کی، ان تعصبات کا تذکرہ کیا جو اس کے طالب علموں نے اپنے والدین سے ورثے میں پائے تھے اور عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کی اس مسخ شدہ تصویر کا ذکر کیا جو ان کے ذہنوں میں بنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے نظریاتی میلانات کے مطابق طرح طرح کی دیواریں کھڑی کرنے اور ہندستان کی تاریخ کو ہندو، مسلم اور برٹش (کرسچن نہیں) ادوار میں تقسیم کرنے کا الزام تاریخ دانوں پر لگایا۔ اس کا کہنا تھا کہ تاریخ کی اس طرح کی ادوار بندی الجھاؤ پیدا کرتی ہے۔ اس انداز فکر نے ان الگ الگ مذہبی فرقوں کے خیال کو تقویت پہنچائی جنھیں سیاسی، سماجی اور قانونی مقاصد کی خاطر ہندستانی سماج کی الگ الگ اکائیوں کی طرح پیش کیا گیا۔ ہندو اور مسلمان کی عام اصطلاح کا استعمال بھی غلط تھا۔ اس کا خیال تھا کہ واقعات کا تجزیہ محض ہندو یا مسلمان کے نام سے پہچانے جانے والے گروہوں کے باہمی تفاعل کی بنیاد پر کرنا صحیح نہ ہوگا۔

مختصراً اس کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں مذہبی فرقوں کی آہنی حدود میں محصور ہو کر نہیں سوچنا چاہیے۔

"مجھے بتاؤ" عزیز نے پوچھا، "کیا میں اور تم دو مختلف قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں؟ جناح کو خود اپنے ذاتی اور پیشہ ورانہ تجربے سے یہ بات جاننا چاہیے تھی کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے میں ذات، مذہب سے بھی زیادہ موثر ہتھیار ہے۔ انھیں یہ بھی جاننا چاہیے تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی باہمی اشتراک و تعاون کی ایک طویل تاریخ کے وارث رہے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دو مختلف قومیں کیسے بن گئے؟ خود مسلمان کب ایک ہم آہنگ کل رہے ہیں؟ اُن شیعہ و سنّی فسادات کے بارے میں کیا خیال ہے جنھوں نے خود ہمارے شہر کو کتنی بار ہلا کر رکھ دیا ہے؟ ایک اسلامی ریاست کی وکالت کرنے والے کیا مسلمانوں کو تقسیم کرنے والے علاقائی، لسانی اور ثقافتی گہرے اختلافات سے واقف نہیں ہیں؟ ہمیں طبقاتی فرق کو بھی نہیں بھولنا چاہیے۔ یہ ایسا کیسے ہے کہ رودولی میں ایک تعلقہ دار خاندان کے رکن اتن بھائی اور پاس کی گلی میں رہنے والے قصائی عبدالستار قریشی ایک ہی

مسلمان قوم کا حصہ ہو جاتے ہیں؟

آج ہم جماعت اسلامی کی ان کوششوں کا بڑا چرچا سنتے ہیں جو وہ مسلمانوں کو ہم آہنگ و یک رنگ اور اسلامی بنانے کے سلسلے میں کر رہی ہے۔ آخر کس لیے؟

عزیز اپنے یونیورسٹی کے تجربات کی بنیاد پر ابھی مسائل کی وضاحت ہی کر رہا تھا کہ دیٹر نے اطلاع دی کہ ہمایوں کے والد صاحب کا ٹیلیفون آیا ہے۔ ہمایوں ٹیلیفون پر بات کرنے کے بعد آیا اور کہا کہ اسے چار باغ ریلوے اسٹیشن جانا ہے۔ ہر شادی اور غم کے موقع پر اپنے والدین کی نمائندگی کرنے والے فرماں بردار بیٹے کو اس کے باپ نے فرخ آباد میں ایک دور کے عزیز کے یہاں ختنے کی ایک تقریب میں شرکت کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرخ آباد بہترین عطر بنانے اور کپڑے پر چھپائی کے لیے مشہور ہے۔ اس کی برقع پوش ماں، اپنے بازوؤں پر آدھا درجن کے قریب امام ضامن باندھے، اپنی دو لونڈیوں کے ساتھ سست رفتار پسنجر ٹرین سے ہردوئی کے لیے روانہ ہو گئیں۔

"اس موضوع پر نہرو نے ضرور تقریر کی ہو گی"، جگ موہن نے کہا۔

عزیز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگرچہ نہرو نے کہا تھا کہ اگر قومیت کی بنیاد مذہب ہو تا تو ہندستان میں ایک نہیں متعدد قومیں ہوتیں۔ دو بھائیوں میں ایک ہندو اور دوسرا مسلمان ہوتا، ان کا تعلق دو مختلف قوموں سے ہوتا۔ یہ دونوں قومیں ہمارے اکثر گاؤں میں، مختلف تناسب کے ساتھ موجود رہی ہیں۔ یہ قومیں تھیں بلا سرحدوں کے، ایک دوسرے پر منطبق۔ ایک بنگالی مسلمان اور ایک بنگالی ہندو ساتھ ساتھ رہتے ہوئے، ایک ہی زبان بولتے ہوئے، تقریباً ایک ہی جیسی رسوم و رواج کو برتتے ہوئے الگ الگ قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر ایسا تھا تو پھر 'نام نہاد مسلم عہد' سے ممتاز کرنے کے لیے 'ہندو عہد' کی اصطلاح میں کیوں بات کی جائے؟ پھر بھی استعماریت سے قبل کے ہندستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندستان کے مابین تسلسل کے جو رشتے ہیں ان کا اعتراف کرنا چاہیے۔ دیہی معیشت کی تنظیم ایک ایسی ہی جہت ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ علم و دانش کے موجود گروہ، مدلل مباحثوں کے اسٹائل اور سماجی رابطوں کے انداز ہی آج معلومات کی نشر و تقسیم اور تلاش و بازیافت کے جدید طریقوں اور شکلوں کا تعین کرتے ہیں۔

تاریخ داں اس بحث میں الجھتے ہیں کہ آیا انگریزی حکومت کی وجہ سے ہندستان میں کوئی اساسی تبدیلی آئی تھی یا نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مغل نظام کے پہلو بہ پہلو ابتدائی برطانوی نظام میں خاصی مماثلتیں اور تسلسل نظر آتا ہے۔ سترہویں صدی کے ساتھ یہ مماثلتیں خاصی واضح اور مضبوط تھیں کیونکہ مراٹھوں اور مغرب میں سکھوں کے برعکس بنگالیوں نے صوبائی حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں سے مغلوں کو ہٹایا نہیں تھا۔ انتظامیہ کی طرف دیکھیے تو گورنر اور لفٹنٹ گورنر (حیثیت میں) صوبیداروں کے برابر تھے۔ اکبر کے منصب داری نظام اور سول سروس میں بھی کارنوالس (گورنر جنرل 93-1786 اور 1805) کے زمانے سے بڑی حیرت انگیز مماثلتیں ملتی ہیں۔ اونچی تنخواہیں اور وہی نظم و ضبط۔ ہاں، ادائیگی کے طریقے اور تنظیم کے انداز مختلف تھے۔ لیکن اصول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ سیاسی اور عسکری خدمات کے بدلے میں جاگیریں اور انعام کے طور پر زمین عطا کرنے کی مغل روایت بھی جاری رہی، ایسے عطیات کے پانے والوں کو 03-1802 کی مراٹھا جنگ تک اطمینان سے رہنے دیا گیا۔

Ceded and Conquered Provinces کے برطانوی حکام نے عموماً فردی لگان کے مغل ماہرین کی پیروی کی۔ بندوبست استمراری کی اساس سترہویں صدی کی مغل حکومت کے طور طریقوں پر ہی تھی۔ تھامس منرو کا رعیت واری نظام (Ryotwari) مغلوں کے اس ضبط کے نظام ہی کی ایک واضح شکل تھی جو اس نے میسور سے چھینے ہوئے علاقوں میں رائج دیکھا تھا۔

"تسلسل، تسلسل، تسلسل" پردیپ نے اپنے لہجے میں اپنے بس بھر جھنجھلاہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا، "مغلوں کے موجود ڈھانچوں پر سلطنت کی، برطانیہ کی بنیاد سازی کے بارے میں سرشاری و مسرت آخر کیوں؟ ہم نے اپنے پچھلے آقاؤں سے ورثے میں جو کچھ پایا جیسے سول سروس وغیرہ، اسے مسترد تو نہیں کر دیا، نہیں کیا نا؟ پھر بھی میں اس بات کو ماننے سے انکار کرتا ہوں کہ مغلوں سے کلونیل پاور میں تبدیلی کا عمل اتنا ہی آسان اور ہموار ہو سکتا تھا جتنا کہ آپ اور آپ کے قبیلے کے لوگ پیش کرتے ہیں۔

عزیز نے گردن ذرا سی خم کی، لمبی سانس لی اور کسی قدر شعوری انداز میں چاروں طرف نظر ڈالی۔

"معاف کیجیے گا"، پردیپ بھڑک کر بولا، "اگر حکومت برطانیہ اتنی ہی شفیق و مہربان تھی اور اس نے محض چند ہی بڑی تبدیلیاں کی تھیں تو پھر ہمارے لیڈروں اور مصلحوں کو ان کی موجودگی پر ناراضگی کیوں؟ مجھے بتائیے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ تلک، گوکھلے، گاندھی جی اور شہید بھگت سنگھ کس چیز کے لیے لڑ رہے تھے؟ غدر پارٹی اور ریشمی رومال والی سازش کا ہے کے لیے تھی؟ چمپارن، جلیاں والا باغ، چوری چورا، باردولی اور نمک ستیہ گرہ کس بات کی علامتیں تھیں؟ محض ایک واقعہ، ایک یادیا محض ایک کنایہ اور

استعارہ؟ آخر کیوں، دیہی اور شہری علاقوں کے ہزاروں عوام نے گاندھی جی کی "ہندستان چھوڑدو" تحریک پر لبیک کہا؟ آخر کیوں؟ اگر وہ آبادکاروں سے مطمئن تھے تو انھیں اس اپیل کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔

"میں اتفاق کرتا ہوں"، جگ موہن نے اقرار کیا، "اگرچہ عزیز بھائی اٹھارہویں صدی کے بارے میں بات کر رہے تھے نہ کہ ان تبدیلیوں کے بارے میں جو قومیت کے عروج کے زیرِ اثر ہو رہی تھیں۔ پھر بھی، استعماریت کی تاریخ کو، اس کے وکیلوں اور اس کے نکتہ چینوں کی خواہشات کے مطابق خانوں میں نہیں رکھا جا سکتا۔ مزید یہ کہ اپنے آپ کو کسی مخصوص صدی تک محدود کر لینے میں بھی کوئی عقلمندی نظر نہیں آتی۔ ایک طویل المدتی تناظر ہم جیسے لوگوں کے لیے کہیں زیادہ سودمند ہے۔ وقائع نگاری اور تاریخ نویسی ایک مسلسل مکالمہ ہے جو ضروری نہیں ہے کہ کسی اجتماعی فیصلے پر پہنچا دے لیکن یہ مختلف تناظر کی روشنی میں ماضی کو سمجھنے میں ہماری بہت مدد کرتا ہے۔"

یہ لوگ دیر رات گئے تک بات کرتے رہے۔

اپنی گھڑی دیکھنے کے بعد عزیز کو احساس ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ وہ جا کر شیعہ کالج کے یوم تاسیس کے موقع پر دی جانے والی اپنی تقریر کی تیاری کر لے۔

"تم لوگ اگر مجھے معاف کرو.........." اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اعلان کیا، مجھے بہت کام ہے، اپنی تقریر کو تیار کرنے میں مجھے کئی گھنٹے لگیں گے۔ اگر تمھارے سامنے کوئی اور کام ایسا آئے جس میں کہ تم سمجھتے ہو کہ میں تمھاری کچھ مدد کر سکتا ہوں تو مجھے بتا دینا"۔ اس نے پردیپ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

ضرورت پڑنے پر اسے بتانے کا یقین دلاتے ہوئے پردیپ نے کہا، "خدا حافظ" گو یہاں آنے سے پہلے کے مقابلے میں اب وہ زیادہ باخبر تھا مگر ابہام، الجھن اور پریشانی میں کمی نہیں آئی۔

پردیپ اور جگ موہن اپنے گھر گئے اور عزیز اپنے گھر، وہ رات گئے تک جاگتے رہے۔

(مترجم: مسعود الحق)

مصنف کا پتا: 139, Uttarakhand, JNU, New Delhi-67

جامع انگریزی-اردو لغت (حصہ اوّل تا ششم)

مدیرِ اعلیٰ : کلیم الدین احمد

☆ محققین، مترجمین، دفتری اہل کاروں، اساتذہ، قانون دانوں، اہل علم و قلم، صحافیوں، طلبہ اور عام لوگوں کی روزمرہ ضروریات کے لیے یکساں افادیت کی حامل یہ انگریزی اردو لغت ڈھائی لاکھ سے زائد الفاظ و اصطلاحات و معانی کا احاطہ کرتی ہے۔

☆ یہ لغت دنیا کے کسی بھی موضوع پر انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات فراہم کرنے میں آپ کی مدد کرے گی۔

☆ تمام مروّج علوم و فنون سے متعلق انگریزی اردو الفاظ و اصطلاحات کا ایک جامع ذخیرہ۔

☆ مترادفات، محاورات اور تشریحات سے مزین اپنی نوعیت کی پہلی مستند موقع اور ضخیم لغت جو ویبسٹر کو بنیاد بنا کر تیار کی گئی ہے۔

☆ اردو زبان میں نئے سائنسی تصورات اور نئی علمی جہتوں کے اضافے کے ساتھ۔

☆ اکیسویں صدی کے علمی تقاضوں سے ہم آہنگ..............

☆ دو سو سے زائد سائنسی و سماجی علوم و فنون پر محیط..............

☆ امریکی / برطانوی انگریزی کے الفاظ کی صراحت کے ساتھ..............

☆ قومی اردو کونسل کا ایک یادگار کارنامہ.............. ایک تاریخی دستاویز، بڑا سائز 11.5x911۔ عمدہ کاغذ، بہترین طباعت.............. کمپیوٹر شدہ کتابت مضبوط و مطلا جلد.............. صفحات: حصہ اوّل (1217، قیمت 400)، حصہ دوم (1062، قیمت 600)، حصہ سوم (1091، قیمت 600)، حصہ چہارم (866، قیمت 600)، حصہ پنجم (1042، قیمت 600)، حصہ ششم (1012، قیمت 600)

براہ راست طلب فرمائیں یا کسی کتب فروش سے خریدیں۔

صدر دفتر: قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک-8، ونگ-6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-66 ، فون: 6179657, 3938, 6103381 فیکس: 6108159

حیدرآباد شاخ : 5-4-435/20 گرین ہاؤس، اسٹیشن روڈ، نام پلی اسٹیشن روڈ، حیدرآباد-500002

سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس کالم

انڈین ایرفورس میں کیریئر

کس کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ آسمان کی بلندیاں چھولے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو تعلیم اور روزگار کا ایک ایسا شعبہ ہے جو آپ کی یہ خواہش کامیابی کے ساتھ پوری کرسکتا ہے اور وہ ہے انڈین ایرفورس، اس شعبے میں داخلہ کوئی مشکل نہیں۔ بس اپنے اندر چند صلاحیتیں پیدا ہو جائیں پھر داخلہ آسان اور پھر آپ آسمان کی حدیں پار کر سکتے ہیں۔

اگر آپ کی عمر ساڑھے سولہ سال اور بیس سال کے درمیان ہے اور اپنے وطن عزیز کے لیے کام کرنے اور اپنی خواہش کی تکمیل کا جذبہ ہے تو پھر انڈین ایرفورس میں آپ کا کیریئر منتظر ہے۔ بس آپ کو چند شرائط کی تکمیل کرنی ہے۔ اگر ان شرائط کی کامیاب تکمیل کر لی جاتی ہے تو پھر جو تنخواہ، جو رعایت اور جو سہولیات اس شعبے میں حاصل ہوں گی۔ وہ شاید ہی کسی اور شعبے میں مل سکیں۔

انڈین ایرفورس کے آفسرس کیڈر کی تین شاخوں میں کسی ایک برانچ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ فلائنگ برانچ، ٹکنیکل برانچ اور گراؤنڈ ڈیوٹی برانچ۔ ان میں انڈین ایرفورس آپ کو مستقل کمیشن [PC] یا مختصر سروس کمیشن SSL کی طرح مقرر کرتا ہے۔

1- فلائنگ برانچ(Flying Branch):

اس برانچ میں آپ کوئی بھی لڑاکو، حمل ونقل طیارہ یا ہیلی کاپٹر اڑانے کی ڈیوٹی پر مامور کیے جاسکتے ہیں۔ پہلے پہل فلائنگ افسر کی طرح تقرر کیا جاتا ہے اور ایک Squadron سے وابستہ کردیا جاتا ہے۔ اس میں لڑکوں کا داخلہ دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ ایک نیشنل ڈیفنس اکیڈمی[NDA]اور دوسرا کمبائنڈ ڈیفنس سروس[CDSE] کے ذریعے۔ اخبارات میں اس سلسلے کے اشتہارات اپریل، نومبر میں ہر سال جاری کیے جاتے ہیں۔ NDA کے لیے امیدوار کی عمر ساڑھے سولہ اور انیس کے درمیان ہونی چاہیے اور یہ 10+2 فزکس اور ریاضی کے ساتھ کامیابی کے بعد کسی بھی مضمون میں گریجویٹ ہو۔ جو طلبہ 10+2 کے سال دوم میں ہوں وہ CDSE کے لیے اہل ہیں۔ اس امتحان میں کامیابی کے بعد منتخب طلبہ کو ایرفورس سلیکشن بورڈ (ASB) کے روبرو انٹرویو میں شرکت کرنا ہوتا ہے۔ پھر پائلٹ اپٹی ٹیوڈ بیٹری ٹسٹ (PABT) اور اس کے ساتھ کئی سلسلہ وار ٹسٹ بھی کامیاب کرنے ہوتے ہیں۔ جو طلبہ NCC سند رکھتے ہیں وہ ڈائرکٹوریٹ جنرل کے توسط سے اپنی درخواستیں ہر سال 30/جون یا 30/دسمبر تک داخل کر سکتے ہیں۔

2- ٹیکنیکل برانچ:

ایرکرافٹ، میزائل، راڈارس، اسلحہ کی تنصیب اور اس کے انتہائی اعلیٰ پیمانے کے ایڈوانسڈ ٹیکنالوجی نٹ ورک وغیرہ سے واقفیت اور ان سے وابستہ مسائل کے حل کی ذمہ داریاں اسی برانچ سے وابستہ عملے کی ہوتی ہیں۔ انجینئرنگ ڈگری رکھنے والے 18 سے 28 سال عمر کے طلبہ اس برانچ میں کمیشن کی طرح تقرر پاسکتے ہیں۔ اس کے لیے اعلانیہ ہر سال اکتوبر میں جاری کیا جاتا ہے۔ منتخب طلبہ کو ٹریننگ دی جاتی ہے اور اس کے بعد ماہانہ اسٹائی فنڈ کے بطور آٹھ ہزار روپے ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد انجینئرنگ نالج ٹیسٹ اور AFSB ٹیسٹ سے انھیں گزارا جاتا ہے۔

3- مینجمنٹ اور انتظامیہ:

گراؤنڈ ڈیوٹی برانچ میں افسر کا بہت ہی پیچیدہ مگر اہم رول ہوتا ہے۔ اب برانچ کے کسی بھی سیکشن کے کمیشن کی طرح درخواست دی جاسکتی ہے جیسے ایرٹرافک کنٹرولر، اکاؤنٹس، ایجوکیشن وغیرہ۔ اس شعبے میں داخلے کے لیے 20 سے 23 سال عمر کے حامل گریجویٹ اہل ہیں۔ جو لوگ ایل ایل بی، ICWA، M.Ed. اور Ph.d. کیے ہوئے ہیں، درخواست داخل کرسکتے ہیں۔

4- ایروناٹکل انجینئر:

(الیکٹرانکس)۔ 55 فی صد مارکس سے ہندستانی یا بیرونی ممالک کی تسلیم شدہ بی ای / بی ٹیک ڈگری ان ڈسپلن میں کامیاب ہو۔ الیکٹرانکس / ٹیلی کیمونکیشن، الیکٹریکل / انسٹرومینٹیشن، کمپیوٹر سائنس اینڈ انجینئرنگ، مدراس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے ڈپلوما ان الیکٹرانکس، ریڈیو فزکس اینڈ الیکٹرانکس میں بی ٹیک، آپٹکس اینڈ آپٹوالیکٹرانکس، گریجویٹ ممبرشپ امتحان IETE، AMIE کا A اور B سیکشن میں کامیاب وغیرہ۔

انڈین ایرفورس میں خواتین کا داخلہ:

آرمڈ فورسس کی تین شاخوں میں IAF پہلی شاخ ہے جو خواتین کے داخلے کی سہولت رکھتی ہے۔ غیر شادی شدہ لڑکیاں مذکورہ تمام برانچس میں

شارٹ سروس کمیشن کے لیے درخواست گزار ہو سکتی ہیں۔ تعلیمی قابلیت اور حد عمر وغیرہ وہی لاگو ہے جو لڑکوں کے ضمن میں مذکور ہے۔

انتخاب کا طریقہ:

اس سروس کے لیے امیدواروں کے انتخاب کا طریقہ کار تمام دیگر امتحانوں میں بے حد سائنٹفک ہوتا ہے۔ یہ امتحان ملک کے تین مقامات دہرادون، میسور اور وارانسی میں واقع ایرفورس سلیکشن بورڈ (AFSB) پر منعقد کیا جاتا ہے۔ جن امیدواروں کو یہ بورڈ منتخب کرتا ہے انھیں طبی امتحان کے لیے بھیجا جاتا ہے اور پھر میرٹ فہرست بنائی جاتی ہے جس کے مطابق تقرر کیا جاتا ہے۔

کمیشن کی طرح تقرر پانے سے قبل ایک سالہ ٹریننگ مدت کے دوران امیدوار کو ماہانہ آٹھ ہزار روپے اسٹائی فنڈ دیا جاتا ہے۔ پھر جب فلائنگ برانچ میں آفیسر کی طرح تقرر حاصل ہو جاتا ہے تو سالانہ 2,04,000 روپے دیگر سہولتوں کے علاوہ بہ طور تنخواہ ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایروناٹیکل انجینئرنگ کے لیے 1,56,000 روپے اور گراؤنڈ ڈیوٹی کے لیے 1,44,000 روپے سالانہ بہ طور تنخواہ ادا کیے جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ نجی سہولتیں، اولاد کے لیے تعلیمی تحفظات، تفریحات اور وہ ساری رعایتیں جو ہمارے دائرۂ خیال میں ہیں اور جو ہمارے تصور سے پرے ہیں، حاصل ہو جاتی ہیں۔

حصول علم کے مواقع:

ان خدمات میں داخلے کے لیے جو تعلیمی پروگرامس کیے جانے چاہئیں وہاں تعلیمی اداروں میں فراہم ہیں۔

AERONAUTICAL/AEROSPACE ENGINEERING

Bachelor of Aeronautical Engineering - 4yrs-duration, Eligibility, 10+2 & JEE, (Science).

1- Indian Institute of Technology, Powani, Mumbai, 400076. (Maharashtra)
2- IIT, Kharagpur-721302 (WB)
3- Indian Institute of Technology, Chennai-600036 (Tamil Nadu)
4- Madras Institute of Technology, Chennai-600044. (Tamil Nadu)
5- Hindustan Institute of Engineering Technology, 40 GST Road, P.O. Box No. 1306, St. Thomos Mount, Chennai-600016. (Tamil Nadu)
6- Nehru College of Aeronautical and applied Sciences, Coimbatore- (Tamil Nadu)
7- School of Aviation Science and Technology, Delhi flying Club, Safdar Jung Airport, New Delhi.
8- Punjab Engineering College, Chandigarh-160011.
IIT, Kanpur-208016.
9- Indian Institute of Aeronautics, Patna Airport, Patna-800014. (Bihar)
10- Institute of Aviation Technology, 1265, Sector 6, Bahadurgarh, Haryana-124507.
11- VSM Aerospace, Chelekhere Village. (Near Kammanahalli) Bangalore-560008. (Karnataka)
12- Hindustan Electronics Academy, 61, Cambridge Road, P.B. No. 806, Ulsoor, Bangalore-560008. (Karnataka)
13- Indian Institute of Aeronautical Engineering, 179, Kalidas Road, Dehradun-248001. (Uttaranchal)

"اردو دنیا" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے ---- خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے "فکر و تحقیق" کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi

کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں: (دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

عظیم صدیقی

مائکروسافٹ ورڈ

تاریخ اوروقت (Date and Time)

- اپنے دستاویز، مراسلہ، خطوط پر آپ کس قسم کی تاریخ اوروقت ڈالنا پسند کریں گے؟ اس کا تعین یوں ہوسکتا ہے۔

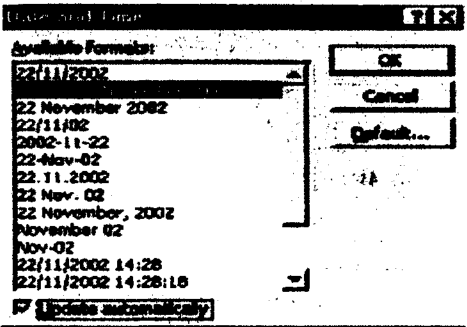

- جس جگہ تاریخ ڈالنی چاہتے ہوں، وہاں کرسر کلک کریں اور پھر مدخولات (Insert) کی فہرست پر جاکر وقت اور تاریخ (Date & Time) پر کلک کرنے سے یہ استفساریہ نکل کر آئے گا۔
- اس فہرست میں سے جو بھی طرز پسند ہو اس پر کلک کر کے OK پر کلک کریں۔ وہی طرز آپ کے دستاویز پر نافذ ہو جائے گی۔
- اگر آپ اپنی آئندہ دستاویزوں پر بھی یہی طرز تاریخ اور وقت قائم رکھنا چاہیں تو عادتاً (Default) پر کلک کریں اور دوسری استفسار چہ میں ہاں (Yes) پر کلک کردیں۔

معینہ متن (Auto Text)

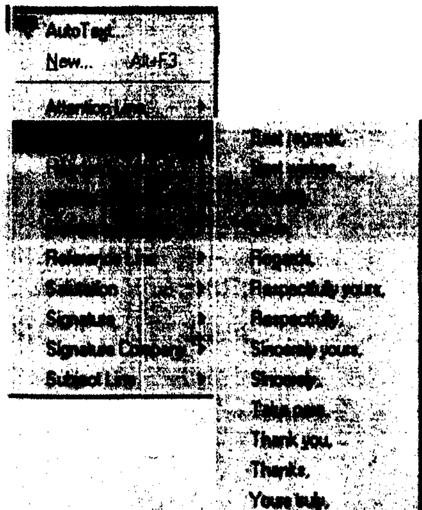

- مراسلات اور خطوط میں کچھ ایسے فقرے ہوتے ہیں جو روایتی طور پر شروع یا اختتام پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایسے فقروں یا جملوں کو بار بار ٹائپ کرنے کی زحمت سے بچنے کے لیے معینہ متن کی تیار شدہ فہرست پر کلک کر کے اپنے مراسلات میں چسپاں کر لیتے ہیں یا کچھ اپنے ذاتی بھی بنا کر رکھ لیتے ہیں تاکہ ضرورت پر کام آسکیں۔
- نیچے کی مثال میں اختتامیہ (Closing) پر کلک کرنے سے اس کے ضمن میں جو الفاظ یا فقرے نکلتے ہیں، ان کی فہرست موجود ہے۔ آپ جس فقرے پر کلک کریں گے، وہ آپ کے متن پر

چسپاں ہو جائے گا۔

- اسی طرح دوسری سرخیوں جیسے متوجہ ہوں (Attention line)، سرنامہ/پانوشت (Header/Footer) عام (Normal)، حوالہ جات (References)، استقبالیہ (Salutations) اور مضمون (Subject) میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، وہ ان کی سرخیوں پر کلک کرکے دیکھے جا سکتے ہیں اور استعمال کیے جاسکتے ہیں۔
- جس جگہ آپ اس قسم کا کوئی لفظ، جملہ یا فقرہ چسپاں کرنا چاہتے ہیں، وہاں کرسر لے جا کر کلک کیجیے۔
- پھر All Entries کی فہرست میں سے وہ عنوان تلاش کیجیے جس کے تحت آپ کا سوچا ہوا جملہ ہوسکتا ہے۔ اس پر کلک کیجیے۔

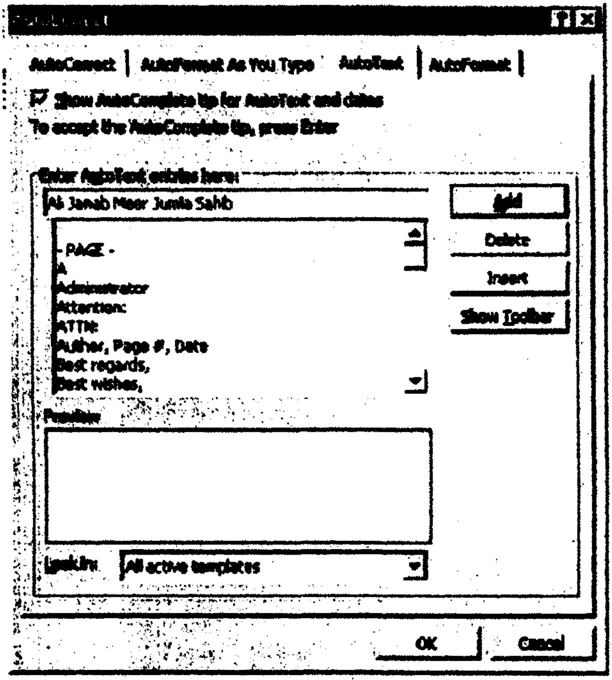

- جو دوسری فہرست نکلے گی اس میں سے مناسب جملے پر کلک کیجیے۔ وہ جملہ مجوزہ جگہ پر چسپاں ہو جائے گا۔
- سامنے مثال میں اختتامیہ کی فہرست دی ہوئی ہے۔ اگر پھر بھی ضرورت سمجھیں تو اپنا ذاتی جملہ ٹائپ کرسکتے ہیں۔
- اس کے لیے Insert کی فہرست نکلتے ہی اسے Auto Text پر کلک کرنا پڑے گا جس سے یہ استفسار یہ نکل آئے گا۔
- اس میں جہاں Aali Janab Meer Jumla Sahib لکھا ہے وہاں کرسر جھلملا رہا ہوگا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ اپنا ذاتی معینہ متن ٹائپ کرسکتے ہیں۔
- یہاں ٹائپ کرنے کے بعد Add پر کلک کیجیے۔
- پھر Insert پر کلک کیجیے۔

معینہ متن آپ کے متن پر اس جگہ چسپاں ہو جائے گا جہاں آپ نے شروع میں معینہ متن کے لیے کرسر کلک کیا ہوگا۔

محمد رستم علی

قانون کوئز

(1) حقوقِ انسانی کمیشن(Human Rights' Commission)کا موجودہ چیئرمین کون ہے؟
(الف) جسٹس آر ایس سرکاریا (ب) جسٹس جی ایل آہوجا
(ج) جسٹس جے ایس ورما (د) ان میں سے کوئی نہیں

(2) ہندو میرج ایکٹ میں استعمال شدہ اصطلاح "ہندو" میں مندرجہ ذیل میں سے کون شامل نہیں ہے؟
(الف) سکھ (ب) جین
(ج) بدھ (د) پارسی

(3) ہندستان میں عوامی فائدے کا مقدمہ (Public Interest Litigation) کس نے متعارف کرایا؟
(الف) جسٹس پی این بھاگوتی (ب) جسٹس ایم این وینکٹ چلیا
(ج) جسٹس اے ایم احمدی (د) جسٹس کرشنا ائیر

(4) یونین آف انڈیا کے ساتھ ڈاکٹر محمد اسماعیل فاروقی کا مقدمہ کس لیے جانا جاتا ہے؟
(الف) منڈل جج منٹ (ب) ایودھیا جج منٹ
(ج) شاہ بانو جج منٹ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(5) سپریم کورٹ میں چیف جسٹس کو ملا کر کل کتنے جج ہوتے ہیں؟
(الف) 24 (ب) 25
(ج) 26 (د) 27

(6) سپریم کورٹ کا جج کتنی عمر تک اپنے عہدے پر رہ سکتا ہے؟
(الف) 62 برس (ب) 63 برس
(ج) 64 برس (د) 65 برس

(7) مندرجہ ذیل میں سے سپریم کورٹ کا جج بننے کے لیے کون سی شرط لازمی نہیں ہے؟
(الف) وہ ہندستانی ہو
(ب) پانچ سال تک ہائی کورٹ کا جج رہا ہو
(ج) دس سال تک ہائی کورٹ میں وکالت کی ہو
(د) الگ الگ جگہوں پر پریکٹس کرتا رہا ہو

(8) ہندستان میں قانونی اختیار کا ذریعہ کیا ہے؟
(الف) ہندستانی عوام (ب) ہندستان کا قانون
(ج) مجلس قانون ساز (د) ہندستانی صدر

(9) قدیم ہندستان کی قانونی کتاب کون سی ہے؟
(الف) وید (ب) اپنشد
(ج) منواسمرتی (د) شروتی

(10) مسلمانوں کا مذہبی فاؤنڈیشن کون سا ہے؟
(الف) علماء (ب) جہاد
(ج) قضاۃ (د) وقف

(11) انڈین پینل کوڈ نے پہلا قانون کب بنایا؟
(الف) 1973 میں (ب) 1961 میں
(ج) 1960 میں (د) 1890 میں

(12) سپریم کورٹ کی کارروائی کس زبان میں ہوتی ہے؟
(الف) انگلش میں
(ب) ہندی میں
(ج) انگلش اور ہندی دونوں میں
(د) آٹھویں جدول میں شامل تمام اٹھارہ زبانوں میں

(13) بابائے عالمی قانون کسے کہا جاتا ہے؟
(الف) افلاطون (ب) ارسطو
(ج) گروٹس(Grotius) (د) لنکن

(14) ڈرائیونگ کے لیے حکومت نے کم سے کم کتنی عمر مقرر کی ہے؟
(الف) 18 سال (ب) 19 سال
(ج) 16 سال (د) 20 سال

(15) شوہر کو طلاق شدہ بیوی کو کتنے سال تک خرچہ دینا پڑے گا؟
(الف) ہمیشہ
(ب) 20 سال تک۔
(ج) جب تک بچے بڑے نہ ہو جائیں۔
(د) جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے۔

(16) ایک ہندو عورت طلاق کے بعد فوراً شادی کر سکتی ہے جبکہ مسلم عورت:

(الف) فوراً شادی کر سکتی ہے۔

(ب) عدت تک انتظار کرے۔

(ج) ایک سال تک انتظار کرے۔

(د) ان میں سے کوئی نہیں۔

(17) جب مسلم میاں بیوی ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کے ذریعے طلاق لیں تو اسے کس نام سے جانا جاتا ہے؟

(الف) طلاق (ب) خلع

(ج) مبارات (د) ان میں سے کوئی نہیں

(18) ہندوستان کے مسلمان زیادہ تر کس فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں؟

(الف) حنفی (ب) مالکی

(ج) حنبلی (د) شافعی

(19) ہندوستان میں شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کی عمر کم سے کم کتنی ہونی چاہیے؟

(الف) 18 سال۔21 سال (ب) 21 سال۔18 سال

(ج) 18 سال۔18 سال (د) 21 سال۔21 سال

(20) شاہ بانو کیس کس لیے جانا جاتا ہے؟

(الف) طلاق کے بعد مسلم بیوی کے حقوق کی پاسداری

(ب) مسلم عورت کو طلاق دینے کا حق

(ج) مسلم عورت کو علاحدگی کا حق

(د) شوہر کی جائداد میں مسلم عورت کا حق

(21) شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حق کو کیا کہتے ہیں؟

(الف) قانونی حق (ب) ازدواجی حق

(ج) شوہری حق (د) ازدواجی مسرت کا حق

(22) عالمی عدالت کا صدر دفتر کہاں ہے؟

(الف) جنیوا (ب) ہیگ

(ج) نیویارک (د) لندن

(23) قانون کا کون سا آرٹیکل یکساں سول کوڈ کے بارے میں ہے؟

(الف) آرٹیکل 42 (ب) آرٹیکل 43

(ج) آرٹیکل 44 (د) آرٹیکل 45

(24) ہندوستانی قانون میں بنیادی حقوق کس ملک کے قانون سے متاثر ہو کر شامل کیے گئے؟

(الف) جنوبی افریقہ (ب) امریکہ

(ج) انگلینڈ (د) آسٹریلیا

(25) ہندوستانی آئین کا کون سا آرٹیکل چھوا چھوت کو ختم کرتا ہے؟

(الف) آرٹیکل 17 (ب) آرٹیکل 18

(ج) آرٹیکل 23 (د) آرٹیکل 24

(26) پس ماندہ ذاتوں کے لیے ریزرویشن کس قانون کے تحت دیا گیا ہے؟

(الف) آرٹیکل (1) 16 (ب) آرٹیکل (2) 16

(ج) آرٹیکل (3) 16 (د) آرٹیکل (4) 16

(27) کوئی بھی آدمی ایک جرم کے لیے دو مرتبہ سزا نہیں پاسکتا۔ یہ آرٹیکل 20 (2) کس بنیادی اصول پر ہے؟

(الف) دوہرے خطرے میں ڈالنا (ب) خود کو ملزم قرار دینا

(ج) دوہرا قصوروار ہونا (د) طبعی انصاف

(28) ثقافتی اور تعلیمی حقوق کی ضمانت آئین کے کن آرٹیکلس میں دی گئی ہے؟

(الف) آرٹیکل 29-30 (ب) آرٹیکل 30-31

(ج) آرٹیکل 31-32 (د) آرٹیکل 32-33

(29) صدر جمہوریہ کو آئین کے کس آرٹیکل کے تحت اس کے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے؟

(الف) 60 (ب) 61

(ج) 62 (د) 63

(30) نائب صدر جمہوریہ بننے کے لیے کم سے کم کتنی عمر ہونی چاہیے؟

(الف) 35 سال (ب) 30 سال

(ج) 25 سال (د) 21 سال

(31) قانون میں ترمیم کے لیے بل کہاں پیش کیا جاتا ہے؟

(الف) لوک سبھا میں (ب) راجیہ سبھا میں

(ج) دو ایوان سبھا میں (د) لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں

(32) نگرپالیکا کی مدت کار کتنے سال کی ہوتی ہے؟

(الف) 7 سال (ب) 5 سال

(ج) 4 سال (د) 6 سال

(33) پنچایتی راج پہلی مرتبہ کب لاگو کیا گیا؟

(الف) 1959 (ب) 1977

(ج) 1992 (د) 1980

(34) یو پی ایس سی کے اراکین کس کے ذریعے بحال کیے جاتے ہیں؟

(الف) وزیراعظم (ب) صدر جمہوریہ
(ج) چیف جسٹس (د) گورنر

(35) ایم پی کی نشست کو کتنی مدت کے بعد خالی اعلان کیا جاتا ہے، اگر وہ مسلسل غائب ہو؟
(الف) 6 مہینے کے بعد (ب) 2 مہینے کے بعد
(ج) 3 مہینے کے بعد (د) ایک سال کے بعد

(36) امبیڈکر نے ان میں سے کس آرٹیکل کو آئین کی روح اور جان کہا ہے؟
(الف) آرٹیکل 32 (ب) آرٹیکل 21
(ج) آرٹیکل 19 (د) آرٹیکل 16

(37) روس کی پارلیمنٹ کا نام کیا ہے؟
(الف) دوما (Duma) (ب) ڈیٹ (Diet)
(ج) سونگ (Swang) (د) ان میں سے کوئی نہیں

(38) جج کی برخاستگی قانون کے کس آرٹیکل کے تحت ہو سکتی ہے؟
(الف) آرٹیکل 31 (ب) آرٹیکل (4) 134
(ج) آرٹیکل (2) 324 (د) آرٹیکل (4) 124

(39) قومی جھنڈے کی لمبائی اور چوڑائی کتنی ہے؟
(الف) 3:4 (ب) 2:3
(ج) 1:22 (د) 5:6

(40) مزدوروں کی عالمی تنظیم کا قیام کب عمل میں آیا؟
(الف) 1919 میں (ب) 1944 میں
(ج) 1950 میں (د) 1961 میں

(41) Ancient Law کا مصنف کون ہے؟
(الف) پولوک (Pollok) (ب) مَین (Maine)
(ج) مولا (Mulla) (د) میکالے (Macaulay)

(42) رشوت کی چھان بین کے لیے کون سی کمیٹی قائم کی گئی تھی؟
(الف) وانچو کمیٹی (Wanchoo Committee)
(ب) سنتھنم کمیٹی (Santhanam Committee)
(ج) راجامنار کمیٹی (Rajamannar Committee)
(د) ان میں سے کوئی نہیں

(43) پارلیمنٹ کس بل میں ترمیم نہیں کر سکتی؟
(الف) بنیادی حقوق (ب) قانون کا اہم ڈھانچہ
(ج) سپریم کورٹ کی طاقت (د) ان میں سے کوئی نہیں

(44) مجرم کو ضمانت پر رہا کر دیا جاتا ہے اگر جانچ ایک مخصوص مدت تک مکمل نہ ہو سکے:
(الف) 90 دن (ب) 95 دن
(ج) 100 دن (د) 30 دن

(45) کس ایکٹ میں کہا گیا ہے کہ عورتیں مردوں کے برابر کام کرتی ہیں اور انھیں مردوں کے برابر اجرت دی جائے؟
(الف) عورتوں کے حقوق کا حفاظتی ایکٹ 1980
(ب) مساوی اجرت ایکٹ 1976
(ج) کاریگروں کا عوضی ایکٹ 1948
(د) جنسی مساوات ایکٹ 1976

(46) عوامی چھٹی (Public holiday) کس ایکٹ کے تحت دی گئی ہے؟
(الف) گفت و شنید انسٹرومنٹ ایکٹ (Negotitable Act) 1818
(ب) معاہدہ ایکٹ 1872
(ج) عوامی ملازمت ایکٹ 1976
(د) ان میں سے کوئی نہیں

(47) کوئی بھی بل اس وقت تک قانون نہیں بنتا جب تک کہ:
(الف) دونوں ایوان اسے پاس نہ کر دیں۔
(ب) وزیراعظم دستخط نہ کر دے۔
(ج) وزیراعظم اور چیف جسٹس دستخط نہ کر دیں۔
(د) صدر جمہوریہ دستخط نہ کر دے۔

(48) پریس کی آزادی قانون کے کس آرٹیکل کے تحت ہے؟
(الف) آرٹیکل 19 (ب) آرٹیکل 20
(ج) آرٹیکل 21 (د) آرٹیکل 22

(49) کیا سات سال سے کم عمر کے بچے کو گرفتار کیا جا سکتا ہے؟
(الف) ہاں (ب) نہیں
(ج) قرائنی شہادت ملنے پر (د) ان میں سے کوئی نہیں

(50) مجرم کی فوری رہائی کو کیا کہا جاتا ہے؟
(الف) ضمانت (Bail) (ب) عارضی رہائی (Parole)
(ج) نئی زندگی پانا (Lease) (د) استحقاق (Lien)

□□□

Room No. 38, Sabarmati Hostel,
JNU, New Delhi-67

اردو خبرنامہ

تاریخ ادبیات کشمیر کی تدوین نو پر سہ روزہ ورکشاپ

● کشمیر یونی ورسٹی کے اشتراک سے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیرِ اہتمام کشمیر یونی ورسٹی کے گاندھی بھون میں 2 سے 4/نومبر 2002 کے درمیان "تاریخ ادبیاتِ کشمیر کی تدوینِ نو" پر ایک سہ روزہ ورکشاپ منعقد ہوا جس کا افتتاح کشمیر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر جلیس احمد خان ترین نے کیا اور صدارت مولانا انظر شاہ کشمیری نے کی۔ پروفیسر جلیس احمد خان ترین نے اس موقعے پر کہا کہ کشمیر علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور کشمیر یونی ورسٹی اس بے حد اہم اور بڑے پروجیکٹ کی تکمیل میں قومی اردو کونسل کو بھرپور تعاون دے گی۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ نے امید ظاہر کی کہ وہ تاریخ دانوں، ادیبوں اور مفکروں کے تعاون سے اس پروجیکٹ کو مکمل کرانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ورکشاپ کے پانچ سیشنوں میں کشمیر میں تخلیق کیے گئے سنسکرت، عربی، فارسی، اردو اور کشمیری ادب کی مکمل تواریخ ترتیب دینے کا طریقۂ کار وضع کرنے کے لیے غور و خوض کیا گیا۔

اس ورکشاپ میں جن حضرات نے شرکت کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: پروفیسر رحمان راہی، جناب محمد یوسف ٹینگ، پروفیسر فدا محمد حسنین، جناب بلراج پوری، پروفیسر اے کیو رفیقی، جناب غلام نبی خیالؔ، پروفیسر ششی شیکھر توشخانی، پروفیسر او این کول، پروفیسر ٹی این رینا، ڈاکٹر بی این کلا، پروفیسر ہری کرشن کول، پروفیسر محمد زماں آزردہ، پروفیسر قدوس جاوید، پروفیسر گلشن مجید، پروفیسر مشعل سلطانپوری، ڈاکٹر بشیر احمد، ڈاکٹر اشرف وانی، ڈاکٹر فاروق فیاض، ڈاکٹر شاد رمضان، ڈاکٹر ستیہ بھامار ازداں، ڈاکٹر غلام رسول جان، ڈاکٹر حیش ول، ڈاکٹر طارق، جناب صوفی غلام محمد، ڈاکٹر فرید پربتی، ڈاکٹر درخشاں اندرابی، ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ اور ڈاکٹر ابوالکلام۔

ورکشاپ میں جو نکات سامنے آئے، انھیں مجوزہ پانچ ادبی تاریخوں، کشمیر میں سنسکرت ادب کا ارتقا، کشمیر میں عربی ادب کا ارتقا، کشمیر میں فارسی ادب کا ارتقا، کشمیر میں کشمیری ادب کا ارتقا اور کشمیر میں اردو ادب کا ارتقا، مرتب کرتے وقت گائیڈ لائن کے طور پر سامنے رکھا جائے گا۔

ورکشاپ میں یہ طے کیا گیا کہ یہ تمام تاریخیں اردو زبان میں لکھی جائیں گی اور اس کے لیے تاریخ نویسی کے بین الاقوامی معیاری طریقۂ کار استعمال کیے جائیں گے۔ تمام حقائق جمع کر کے ان کا معروضی تجزیہ کیا جائے گا اور ان تہذیبی و معاشرتی پہلوؤں کو زیرِ نظر رکھا جائے گا جن کے زیرِ سایہ ادب پروان چڑھا ہے۔ ان تاریخوں کی تدوین میں عہد، اصناف، شخصیات اور تحریکات پر زور دیا جائے گا۔ سماجی و تہذیبی نظریات و افکار اور تاریخی تحریکات کے معروضی تجزیے کی مدد سے ادبی علائم و رموز کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ ادبی تاریخیں لکھتے وقت تقابلی مطالعے کا طریقۂ کار بھی اپنایا جائے گا۔ کشمیری ادب کے ارتقا میں ایک اہم رول قصص و روایات اور لوک گیتوں کا رہا ہے، ان کے مطالعے کے بغیر کشمیر میں پروان یافتہ ادب کو بخوبی سمجھنا دشوار ہے۔ اس لیے ان کے اثرات کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا۔ محققین کی یہ ذمے داری ہوگی کہ وہ حقائق کی اچھی طرح چھان پھٹک کر کے انھیں تاریخ ادب کا حصہ بنائیں۔ ان ادبی تاریخوں پر کام شروع کرنے سے قبل تمام موجودہ تاریخوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کام کو تاریخ نویسی کے اصولوں کے تحت معیاری بنانے کے لیے تاریخ دانوں کی خدمات حاصل کی جائیں گی اور ادب و لسانیات کے ماہرین سے بھی تعاون حاصل کیا جائے گا۔

سائنٹفک بنیادوں پر عہد کا تعین کر کے تاریخ ادب لکھنے کا کام شروع کیا جائے گا۔ ان ادبی تاریخوں میں ادبی شخصیات کو سنگِ میل کے طور پر لیا جائے گا اور اصناف کو حوالے کے طور پر لیا جائے گا۔

کشمیری زبان اور ادب کی تاریخ لکھتے وقت کشمیریوں کے ذریعے اندرونِ کشمیر لکھے گئے ادب، بیرونِ کشمیر، کشمیریوں کے ذریعے لکھے گئے ادب اور کشمیر میں مقیم دیگر لوگوں کی تخلیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

ان تاریخوں کو لکھتے وقت کشمیری تہذیب و معاشرت میں ان کی جڑیں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ایک زبان و ادب کے دوسرے زبان و ادب پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

نثر کی ابتدا پر تحقیق کرتے ہوئے ان سماجی، تہذیبی اور نفسیاتی عناصر و عوامل کا جائزہ لیا جائے گا جن کی وجہ سے شاعری کے مقابلے نثر کی ابتدا دیر سے ہوئی۔ اس پروجیکٹ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے ہر تاریخ ادب کا ایک مدیر اور لکھنے والوں کا تعین کیا جائے گا اور ایک ایڈیٹوریل بورڈ بنایا جائے گا جس کی نگرانی چیف ایڈیٹر کرے گا۔

مغربی بنگال اردو اکادمی کے نئے سکریٹری

● جناب جاوید اختر نے یکم اکتوبر 2002 سے مغربی بنگال اردو اکادمی کے سکریٹری کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ وہ بدستور مغربی بنگال مائنارٹیز ڈیولپمنٹ اینڈ فنانس کارپوریشن کے جنرل منیجر کی خدمات بھی انجام دیتے رہیں گے۔ جناب جاوید اختر نے جناب شائق احمد کے بعد مغربی بنگال اردو اکادمی کے سکریٹری کا چارج سنبھالا ہے۔ (ڈاک سے)

ہریانہ اردو اکادمی کے اردو کمپیوٹر کورس کا افتتاح

● پنچکولہ۔ ہریانہ اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام اکادمی میں ایک اردو کمپیوٹر مرکز شروع کیا گیا ہے۔ یہ مرکز وزارت بہبود حکومتِ ہند کے ادارے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے چلایا جائے گا۔ کمپیوٹر مرکز کا افتتاح کرتے ہوئے وزیرِ اعلا ہریانہ چودھری اوم پرکاش چوٹالہ نے کہا کہ اکادمی کی طرف سے ٹیکنالوجی کے میدان میں اٹھایا گیا یہ قدم لائقِ ستائش ہے۔ اس مرکز سے جہاں طلبہ کمپیوٹر سیکھیں گے وہاں انھیں اردو رسم خط کی معلومات بھی ہوگی۔ وزیرِ اعلا نے، جو اکادمی کے صدر بھی ہیں، کہا کہ اردو جو ہریانہ میں پلی بڑھی اور پیدا ہوئی ہے، اس کے بولنے اور سمجھنے والے دنوں دن کم ہو رہے ہیں، اکادمی کی جانب سے اس مرکز کے شروع ہونے سے اردو جاننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

تقریب کی صدارت وزیرِ تعلیم ہریانہ جناب بہادر سنگھ نے کی۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکادمی ریاست میں اردو کے فروغ کا پہلا ادارہ ہے۔ اکادمی کے زیرِ اہتمام کمپیوٹر کے شروع ہونے سے اردو کی ترقی کے راستے کھلیں گے۔ وزیرِ تعلیم نے کہا کہ ہریانہ کے تقریباً سبھی بار ایسوسی ایشنوں میں جلد ہی اردو سیکھنے کے لیے اردو مراکز قائم کیے جائیں گے اور وکلا کو اردو رسم خط سے واقف کرایا جائے گا، جو ان کے پیشے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اکادمی کے نائب صدر اور کمشنر و سکریٹری تعلیمات جناب پی کے چودھری، آئی اے ایس نے کمپیوٹر مرکز و خط و کتابت کورس کی تفصیل سے جانکاری دی اور بتایا کہ جہاں پرائیویٹ ادارے کمپیوٹر سکھانے کے لیے ہزاروں روپے فیس کے طور پر وصول رہے ہیں وہاں طلبہ اکادمی کے اس مرکز سے بہت کم خرچ پر کمپیوٹر کی مکمل جانکاری حاصل کر سکیں گے، جس میں کمپیوٹر اپلی کیشنس سے لے کر ڈیسک ٹاپ پبلشنگ تک کی جانکاری شامل ہے۔

اکادمی کے سکریٹری جناب رمیندر جاکھو ساحل، آئی اے ایس، نے مہمانوں کا استقبال کیا اور اکادمی کی اسکیموں کی تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ انھوں نے کہا کہ کمپیوٹر کے ساتھ ہی جو اردو خط و کتابت کورس شروع کیا گیا ہے اس میں ہندی اور انگریزی کے ذریعے اردو سکھانے کی سہولت رکھی گئی ہے۔ جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اردو رسم خط سے واقف کرانا ہے۔ جاکھو صاحب نے کہا کہ اس طرح جو لوگ اردو سیکھیں گے انھیں اردو زبان سے جوڑے رکھنے کے لیے اکادمی کی جانب سے ضروری کتابیں بھی مہیا کرائی جائیں گی۔ کمپیوٹر ڈپلوما کورس کا ذکر کرتے ہوئے سکریٹری موصوف نے کہا کہ میٹرک سطح اور 35 برس تک کے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(ڈاک سے)

کرناٹک اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام میڈیا رائٹنگ اور اردو صحافت پر سمینار

● تاریخی شہر گلبرگہ میں اردو صحافت اور میڈیا رائٹنگ پر ایک سمینار اور ورکشاپ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونیکیشن، نئی دہلی اور کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور کے تعاون سے 7 ر اکتوبر تا 11 ر اکتوبر 2002 فاران کالج میں منعقد ہوا۔ 7 ر اکتوبر کی صبح گیارہ بجے جناب اقبال احمد سرڈگی رکنِ پارلیمان نے کرناٹک کے اردو اخبارات و رسائل کی نمائش کا افتتاح کیا۔ بعد ازاں جناب لکشمی نارائن ڈپٹی کمشنر گلبرگہ نے شمع جلا کر سمینار و ورکشاپ کا افتتاح کیا۔ جناب اقبال احمد سرڈگی نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اردو صحافت، انگریزی اور دیگر زبانوں کی صحافت کے مقابلے میں پسماندہ ہے۔ ہمیں اس پسماندگی کے اسباب پر غور و خوض کے ذریعے اس کے خاتمے کے راستے پیدا کرنے ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو اخبارات میں جن اقلیتی مسائل کی ترجمانی اور نمائندگی کی جاتی ہے، ان مسائل کی انگریزی اور علاقائی صحافت میں بھی اشاعت عمل میں لائی جانی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے اردو اخبار نویس اور صحیفہ نگار انگریزی اور علاقائی زبانوں کے اخبارات سے قریبی ربط پیدا کریں۔ جناب لکشمی نارائن نے اردو زبان کی شیرینی اور ہمہ گیری کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ آئی آئی ایم سی، نے اردو میں ماس میڈیا کورس کے آغاز اور مختلف علاقوں میں صحافیوں کی تربیت کا جو فیصلہ کیا ہے، اسے کامیاب بنانے کے لیے حکومت اور اردو داں طبقے کو تعاون کرنا چاہیے۔ جناب ظہور الحق سینئر ریسرچ آفیسر آئی آئی ایم سی، نئی دہلی نے کلیدی خطبے میں بتایا کہ آئندہ سال ماس کمیونیکیشن کا کورس اردو میں بھی شروع ہوگا۔ انھوں نے اردو کو روزگار سے جوڑنے کے لیے

عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کورس کی ضرورت پر زور دیا۔ صدر کرناٹک اردو اکادمی جناب وہاب عندلیب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ صحافت محض ایک پیشہ ہی نہیں بلکہ ایک مشن ہے۔ سال گزشتہ کرناٹک اردو اکادمی اردو صحیفہ نگاروں کی تربیت کے لیے آئی آئی ایم سی کے اشتراک سے بنگلور میں ایک ورکشاپ منعقد کر چکی ہے۔ ورک شاپ میں معروف صحافی، ادیب اور شاعر جناب حامد اکمل نے "کالم نگاری خصوصیت واہمیت" کے زیرِ عنوان مقالہ پیش کیا۔ جناب میر بدرالدین علی (مدیرِ اعلیٰ روزنامہ 'سالار'، بنگلور) نے "اردو صحافت امکانات واقدامات" کے زیرِ عنوان اپنے مقالے میں کہا کہ اردو داں طبقے کو اپنی زبان اور اس کی صحافت کے تحفظ کی ذمے داری، کسی صلہ و ستائش کے بغیر پوری کرنی چاہیے۔ اس سیشن میں ڈاکٹر پیرزادہ فہیم الدین، رکنِ اکادمی نے شکریہ ادا کیا۔ جناب محبّ کوثر (رکنِ اکادمی) نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ صدارت پروفیسر ہاشم علی نے کی۔

یہ سیمنار اور ورکشاپ پانچ دن تک جاری رہا۔ اس کے مختلف سیشنوں کی جن حضرات نے صدارت کی یا مضامین پڑھے اور بحث و تمحیص میں حصہ لیا، ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں: صبح کے سیشن میں میر بدرالدین علی، ڈاکٹر انیس صدیقی لکچرر شعبۂ اردو نیشنل جونیئر کالج گلبرگہ، ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن سکریٹری لوک ساہتیہ منچ گلبرگہ، محترمہ سیدہ روبینہ تسنیم قادری۔ جناب میر بدرالدین علی نے صدارتی خطاب میں تینوں مقالات کو سراہتے ہوئے کہا کہ صحافت میں مشکل الفاظ سے اجتناب کرتے ہوئے ہم کفایتِ لفظی کو اہمیت دیں۔ صحافت کی روح اختصار ہوتی ہے۔ جناب ظہور الحق اور جناب وہاب عندلیب نے بھی مقالوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بعض مفید تجاویز پیش کیں۔ دوپہر کا ورکشاپ جناب ولی احمد (صدر مدرس جواہر ہند اردو اسکول، گلبرگہ) کی صدارت میں عمل میں آیا۔ جس میں جناب سید مجیب الرحمٰن، ڈاکٹر انیس صدیقی، جناب وہاب عندلیب، محترمہ سیدہ روبینہ تسنیم قادری نے مندوبین کی رہنمائی کی۔ جناب وہاب عندلیب نے کہا کہ صحافت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ حق پر مبنی خبروں کو شائع کرے اور غیر مصدقہ خبروں کی اشاعت سے اجتناب کرے۔

صحافتی سیمنار کے تیسرے دن 9/اکتوبر کی صبح پہلی نشست کا اہتمام بصدارت ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن عمل میں آیا۔ اس نشست میں جناب اسلم فرشوری نے "صحافت پر الیکٹرانک میڈیا کے اثرات" کے زیرِ عنوان مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے الیکٹرانک میڈیا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باوجود یہ اعتراف کیا کہ پرنٹ میڈیا کی اہمیت الیکٹرانک میڈیا پر مقدم ہے۔ اس نشست میں جناب حکیم شاکر اور جناب رحمٰن آذر نے مضامین پڑھے۔

جناب ظہور الحق نے اپنے تجزیاتی خطاب سے مستفید فرمایا اور سید مجیب الرحمٰن نے صدارتی خطاب میں تینوں مقالوں کا تفصیلی جائزہ لیا۔ دوسری نشست کی صدارت ڈاکٹر رفیعہ قادری لکچرر شعبۂ اردو بی بی رضا ڈگری کالج گلبرگہ نے کی۔ اس نشست میں زیرِ تربیت صحافیوں کو صحافت سے متعلق سوال نامے دیے گئے۔ جناب مجیب الرحمٰن، جناب حکیم شاکر اور جناب وہاب عندلیب نے جوابات کے تجزیے کے ذریعے زیرِ تربیت صحافیوں کی رہ نمائی کی۔ ڈاکٹر رفیعہ قادری نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو داں طلبہ اردو زبان تک محدود نہ ہو کر دوسری زبانوں، انگریزی اور علاقائی زبانوں میں بھی مہارت و قابلیت پیدا کرنے کی سعی کریں۔

چوتھے دن کی پہلی نشست کی صدارت پروفیسر حمید سہروردی نے کی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ دور کے خوں آشام منظر نامے کی عکاسی میں ہمارے اردو اخبارات ملک کے دیگر زبانوں کے اخبارات کے شانہ بہ شانہ ہیں۔ اس نشست میں "اردو صحافت اور خواتین سے متعلق تحریریں" کے زیرِ عنوان محترمہ رخسانہ سلطانہ (ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو گلبرگہ یونی ورسٹی) نے دقیع مقالہ پیش کیا۔ فاروق حنان (مدیرِ اعلیٰ 'جوہرِ صحافت'، بلگام) نے "اردو صحافت اور ترجمہ نگاری" پر مقالہ پیش کیا۔ ڈاکٹر رابعہ بیگم (لکچرر سیاسیات، بی بی رضا کالج، گلبرگہ) نے "آج کے اخبارات اور سیکولرازم" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ اس دن کی دوسری نشست کی صدارت جناب ظہور الحق نے کی اور محترمہ کوثر پروین نے بحیثیتِ مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ اس نشست میں زیرِ تربیت صحافیوں کو صحافت سے متعلق سوال نامے دیے گئے اور جناب فاروق حنان، رابعہ بیگم، رخسانہ سلطانہ نے جوابات کے تجزیے کے ذریعے زیرِ تربیت صحافیوں کی رہنمائی کی۔ محترمہ کوثر پروین، جناب ظہور الحق نے بھی اجلاس کو مخاطب کیا۔ اس نشست میں گلبرگہ کی دو منفرد شخصیتوں جناب محمد بشیر الدین اور جناب شیر علی کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی قرارداد پیش کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی گئی۔

11/اکتوبر صحافتی سیمنار کا پانچواں اور آخری دن تھا۔ پہلی نشست جناب امجد جاوید کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس نشست میں جناب حامد صفی کا مقالہ بعنوان "اخبارات کا معاشی موقف اور سرکولیشن" جناب رگھوتم راؤ بیائی نے پیش کیا۔ دوسرا مقالہ "اخبارات کے مسائل: جنوبی ہندستان کے حوالے سے" جناب قاضی ارشد علی (مدیر، سرخ زمین، بیدر) نے پیش کیا۔

صحافتی سیمنار کا اختتامی اجلاس 11/اکتوبر سہ پہر تین بجے جناب وہاب عندلیب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ حضرت محمد محمد الحسینی صاحب سجادہ نشین روضۂ بزرگ اور کے ایم عارف الدین مدیرِ اعلیٰ 'ہمارا عوام' حیدر آباد

نے بہ حیثیت مہمان خصوصی شرکت کی۔ حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی صاحب نے فرمایا کہ اردو اخبارات اور ان کے انتظامیہ کے موجودہ حالات اور مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور ان کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس ورکشاپ کے انعقاد کو مسائل کے جائزے اور ان کے حل کی کوششوں کی سمت ایک اہم اقدام قرار دیا اور کہا کہ نامساعد حالات کے باوجود اردو اخبارات کی اشاعت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان اخبارات کو زیادہ سے زیادہ معیاری بنانے، خصوصاً خبروں کا معیار بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اخبارات کے مواد کی وجہ سے قارئین میں رغبت اور شوق پیدا ہو۔ جناب کے ایم عارف الدین مدیر 'ہمارا عوام' حیدر آباد نے کہا کہ اقلیتی اداروں کو سرگرم عمل ہونا چاہیے اور مسابقتی دوڑ میں حصہ لینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری بے عملی سے محرومیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور حالات ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ انھوں نے صحافتی برادری سے اپیل کی کہ معاشرے کے حالات پر گہری نظر رکھیں اور اصلاح و تعمیر پر زیادہ زور دیں۔ سمینار و ورکشاپ کے کنوینر جناب محب کوثر نے اس تربیتی سمینار و ورکشاپ کے انعقاد کے اغراض و مقاصد اور پانچ دنوں کے دوران سامنے آنے والے مباحث پر روشنی ڈالی۔ اس موقعے پر سمینار میں شریک بنگلور، بلگام، رائچور، بیدر، بیجاپور، حیدر آباد، شیموگہ، دھارواڑ اور گلبرگہ کے مندوبین و نامہ نگاروں میں اسناد کی تقسیم بھی عمل میں آئی۔ (ڈاک سے)

"میڈیا کے ذریعے اردو کے فروغ" کے موضوع پر سمینار

● نئی دہلی، 6 نومبر۔ اردو پریس کلب کے زیر اہتمام "میڈیا کے ذریعے اردو کا فروغ" کے عنوان پر قومی سمینار کا انعقاد غالب اکادمی حضرت نظام الدین میں کیا گیا۔ جس میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی مقتدر شخصیات کے علاوہ ادبی، سیاسی اور سماجی زندگی سے تعلق رکھنے والے معروف اور قابل قدر حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ اس پروگرام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس پلیٹ فارم پر مختلف زبانوں کے مقبول اور شہرت یافتہ صحافیوں اور میڈیا کے لوگوں کے علاوہ ادیبوں اور دانشوروں کو یکجا کر کے سیر حاصل گفتگو کی جائے تاکہ اردو کے تعلق سے کوتاہیوں اور تساہلیوں کے علاوہ جانبدارانہ رویے جو حکومت کی سطح پر اور پھر دیگر اداروں کے ذریعے اپنایا جا رہا ہے، اس کا سد باب ممکن ہو سکے اور اردو کو اس کا جائز حق مل سکے۔

سمینار کی صدارت جین ٹی وی کے چیئرمین ڈاکٹر جے کے جین نے کی جب کہ نظامت کے فرائض میڈیا سے ہی وابستہ سعدیہ رحمن نے انجام دیے۔ سمینار میں بیشتر مقررین کا یہ تاثر تھا کہ حقیقتاً زبان اردو کے اندر جو کشش اور جاذبیت ہے اس بنا پر فطری طور پر سبھی لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اس زبان کا استعمال زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب اس کے فروغ کی بات ہوتی ہے تو حکومتی سطح پر بھی اور دیگر اداروں کے ذریعے بھی اس میں رخنے ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہفتہ وار "ہجوم" کے ایڈیٹر جناب جاوید حبیب نے سمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ اتنی عظیم اور پیاری زبان اردو محض مسلمانوں کی زبان بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ المیہ ہے کہ کچھ سال پہلے تک سرکاری اشتہارات جاری کرنے والے محکمے ڈی اے وی پی کے ذریعے 350 اردو اخبارات کو اشتہارات دیے جاتے تھے مگر آج صرف 80 اخبارات ہی اس محکمے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اسٹار ٹی وی کے پولیٹیکل ایڈیٹر راج دیپ سردیسائی نے بتایا کہ اب انگریزی کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ اردو زبان کو اگر صحافی اور دانشور فروغ دینا چاہتے ہیں تو انھیں کھل کر مین اسٹریم میں آنا ہوگا۔ اس پر مہمان خصوصی روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کے جوائنٹ ایڈیٹر عزیز برنی نے کہا کہ الیکٹرانک میڈیا نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو آج بھی ملک کی سب سے مقبول زبان ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ اردو صحافیوں اور دانشوروں کی راہ میں کانٹے ضرور ہیں لیکن اس سے اردو زبان کے فروغ کو روکا نہیں جا سکتا۔ سمینار سے خطاب کرنے والے چند معروف دانشوروں میں خوشنبہ خاں اور ان کے علاوہ بی بی سی لندن کے رپورٹر قربان علی، این ڈی ٹی وی کے عبید صدیقی صاحبان کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

پروگرام کے اخیر میں اردو پریس کلب کے ذمے دار مظہر عالم مخدومی نے تمام مہمانوں اور معزز شرکا حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

(اخبار مشرق دہلی)

برطانیہ میں [illegible]

● میر انیس کی دو سو سالہ تقریبات کی مناسبت سے لندن کے اسلامک سینٹر آف انگلینڈ میں انٹرنیشنل اسلامک لنک (لندن) کی جانب سے 24 اگست 2002 کو ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں ادبا اور شعرا نے میر انیس کے فکر و فن اور حیات و خدمات پر مقالے پیش کیے اور میر انیس کی زمینوں میں منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا۔

افتتاحی اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ سمینار کے کنوینر

ڈاکٹر سید احسن ظفر زیدی نے فاضل مقالہ نگاروں اور شعرائے کرام کا تعارف کراتے ہوئے سیمینار کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ انٹر نیشنل اسلامک لنک، لندن کے بنیاد گزار صدر سید ذوالقدر رضوی نے پہلے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے میر انیس کو اردو زبان و ادب کی تاریخ میں فکری عظمتوں کا حامل فنکار اور پوری اسلامی ثقافت اور تہذیب کا علمبردار بتایا۔ افتتاحی مقالے کے بعد جناب قیصر تمکین نے امیر احمد کاکوروی کی تصنیف "یادگار انیس" کے حوالے سے گفتگو کی، جس میں انیس کے متعلق بعض تحقیقی گوشوں کے علاوہ ان کے کلام کی تفہیم اور فنِ بازرسی کی ضرورت پر زور دیا۔ قیصر تمکین کے بعد پروفیسر ڈیوڈ میتھیوز نے، جو لندن یونی ورسٹی کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (SOAS) کے سینئر استاد اور اردو نیپالی زبانوں پر اپنی ماہرانہ گرفت کے لیے مستشرقین کے حلقوں میں اپنا امتیاز رکھتے ہیں، "اردو ادب میں انیس کا مقام" کے عنوان سے ایک جامع مقالہ پیش کیا اور انیس کے مشہور زمانہ مرثیے ع "جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے" کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا۔ ان کے بعد جناب رضا علی عابدی نے اپنی شگفتہ نثر میں پُر اثر مقالہ پیش کرتے ہوئے انیس اور ان کے فن پر روشنی ڈالی۔

سیمینار کی دوسری نشست کی صدارت ڈاکٹر صفی حسن نے کی، اس نشست میں سب سے پہلے جناب صفدر ہمدانی نے اپنے مقالے میں جدید مرثیہ نگاروں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے انیس کے مراثی سے ابھی اور بہت کچھ سیکھنے کی ترغیب دلائی۔ مقالات کے درمیان وقفے وقفے سے اکبر حیدر آبادی، عمران جعفری، یاور عباس اور عمران امام نے انیس کی رُباعیاں، سلام اور مرثیوں کے منتخب حصے انتہائی تاثراتی انداز میں پیش کیے۔ صاحبِ صدر ڈاکٹر صفی حسن نے میر انیس پر ایک نظم بھی پیش کی۔ تقریب کا اختتام سیمنار کے مہمانِ خصوصی سید عقیل الغروی کی تقریر پر ہوا۔ ڈاکٹر احسن ظفر زیدی نے مقالہ نگاروں، شاعروں اور سامعین کا شکریہ ادا کیا اور عشائیے میں شرکت کی گزارش کی۔ (ڈاک سے)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام
خواجہ میر درد سیمینار

● نئی دہلی، 12/اکتوبر۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے خواجہ میر درد سیمینار کے موقعے پر ہریانہ کے سابق گورنر سید مظفر حسین برنی نے کہا کہ 18ویں صدی نے ہمیں تین بڑے شاعر دیے۔ میر، سودا اور درد۔ درد اپنے معاصرین میں اس لیے بھی ممتاز نظر آتے ہیں کہ انھوں نے اپنا شعری انداز معاصر شعرا سے ہٹ کر اپنایا۔ وہ صوفی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فنِ موسیقی کے بہت بڑے عالم تھے۔ صوفیانہ شاعری کے علاوہ نثر میں ان کی معرکتہ الآرا کتابیں موجود ہیں جن سے ان کے مذہبی افکار کا پتہ چلتا ہے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر شاہد ماہلی نے سیمنار کے اغراض و مقاصد پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ کے مقاصد میں تمام کلاسیکی شعرا کی حیات و خدمات پر سیمنار منعقد کرنا شامل ہے۔ خواجہ حسن ثانی نظامی نے درد کے مزار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہمارا ایک شاعر جس کی شاعری سے پوری ایک تہذیب کا رشتہ جڑا ہے، اس کا مزار بری حالت میں ہے۔ انھوں نے حکومت اور اردو اداروں سے اپیل کی کہ وہ اس امر کی طرف توجہ دیں۔ انھوں نے کہا کہ درد نقشبندیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی سلسلے نے اسلام کی ترویج و ترسیل میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اِس موقعے پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری بدرد ریز احمد نے مظفر حسین برنی اور خواجہ حسن ثانی نظامی کی خدمت میں گلدستہ پیش کیا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، پروفیسر قمر رئیس اور ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر وسیم بیگم نے 'درد کی غزل گوئی' سرورالہدیٰ نے 'درد کے زمانے کی ادبی فضا' پروفیسر صادق نے 'میر اثر کی مثنوی خواب و خیال' پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے 'خواجہ میر درد ماورائے تصوف' اور پروفیسر نثار احمد فاروقی نے 'خواجہ میر درد اور علم الکتاب' کے عنوان سے اپنے مقالے پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت کا فریضہ ڈاکٹر رضا حیدر نے انجام دیا۔ سیمنار کے تیسرے اجلاس میں ڈاکٹر سراج اجملی، ڈاکٹر امتیاز احمد، ڈاکٹر رضا حیدر، پروفیسر شریف حسین قاسمی اور ڈاکٹر قاضی جمال نے اپنے مقالے پیش کیے۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر صادق، ڈاکٹر علی جاوید اور ڈاکٹر ابنِ کنول نے کی۔ نظامت کا فریضہ ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین نے انجام دیا۔ سیمنار کے آخری اجلاس میں ڈاکٹر عبدالقادر جعفری، ڈاکٹر رضا زیدی اور پروفیسر شعیب اعظمی نے مقالے پیش کیے۔ صدارت پروفیسر شریف حسین قاسمی، پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے کی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر مولا بخش نے انجام دیے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

نئے پرانے چراغ

● نئی دہلی، 24/اکتوبر۔ اردو اکادمی کی جانب سے گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی 21 تا 23/اکتوبر 2002 کو غالب اکادمی، بستی

حضرت نظام الدین، نئی دہلی میں دہلی کے بزرگ اور جواں سال شاعروں، ادیبوں اور ناقدوں پر مشتمل سہ روزہ ادبی اجتماع بعنوان "نئے پرانے چراغ" کا انعقاد کیا گیا جس میں تقریباً ایک سو قلم کاروں نے اپنی تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ اس ادبی اجتماع کے روزانہ تین اجلاس منعقد ہوئے۔ پہلا تنقید و تحقیق کے لیے مخصوص تھا جب کہ دوسرا افسانے /انشائیے اور خاکے کے لیے اور تیسرا مجلسِ شعر و سخن کے لیے مختص تھا۔ 23/اکتوبر کو ساتواں اجلاس ہوا جس کی مجلسِ صدارت میں پروفیسر نصیر احمد خاں، پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر ارتضیٰ کریم موجود تھے۔ نظامت ڈاکٹر ندیم احمد نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر خالد اشرف نے "ترجمے کی صورت حال" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا جب کہ ندیم احمد نے "اختر پیامی کی طویل تمثیلی نظم "تاریخ" کا جائزہ لیا۔ عبدالرشید اعظمی نے "فیض احمد فیض: فکری و فنی ارتقا" جناب عقیل احمد نے "اردو صحافت میں گاندھی ازم کا نقیب: حیات اللہ انصاری"، سرورالہدیٰ نے "خلیل الرحمٰن اعظمی کی غزل گوئی" اور مشتاق صدف نے "تخلیق، تنقید اور قاری کی تثلیث" کے عنوان سے اپنے مقالات پیش کیے۔ اختتامی اجلاس کی صدارت اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے کی۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے جب کہ نظامت انیس اعظمی نے کی۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے اپنے تاثرات میں سہ روزہ ادبی اجتماع میں پیش کیے گئے مقالوں پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے کہاکہ کلاسیکی ادبیات کا عہد یہ عہد مطالعہ اور عصری علم و آگہی سے واقفیت نئی نسلوں کی فکری و فنی صلاحیتوں کو مہمیز کر سکتی ہے۔ اچھی تخلیقات میں عہدِ رواں کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی کی سچی تصویریں ابھرتی ہیں اور ایسی ہی تخلیق قاری کو متاثر کرتی ہے اور جلد اپنا حلقہ بھی بنا لیتی ہے، لہٰذا نئی نسلوں کو اس نکتے پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اپنے صدارتی کلمات میں پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے کہاکہ ادب کا عروج دورِ زوال میں ہی ہوتا ہے، اس لیے ہمیں مایوسی کی جگہ تاریخ ادبیات عالم کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہاکہ تحریکی و نظریاتی اختلافات سے قطع نظر تخلیق کار کو اپنے منصب کا پاس رکھنا چاہیے۔ ادب بنیادی طور پر زندگی کا آئینہ ہے اور انسانی قدروں کا محافظ بھی۔ شاعر اور ادیب کا کام محض سیر و تفریح کے مواد کی فراہمی نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کی پر پیچ گتھیوں کو سلجھاتا ہے اور قاری میں نئی بصیرت بھی پیدا کرتا ہے۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

توسیعی خطبات

● ممبئی، 26/اکتوبر۔ شعبۂ اردو ممبئی یونی ورسٹی میں پروفیسر عتیق اللہ کے بالترتیب "خودنوشت نگاری کا فن" اور "اخترالایمان کے شعری کردار" کے موضوعات پر توسیعی خطبے ہوئے۔ پروفیسر عتیق اللہ نے خودنوشت کے فنی اصولوں اور اس کے جزئیات و لوازمات پر مغربی و مشرقی تصورات کی روشنی میں گفتگو کی، انھوں نے اخترالایمان کی شاعری میں در آئے کرداروں کا معروضی تجزیہ کیا جس سے اخترالایمان کی شعری جہتیں ابھر کر سامنے آئیں۔

"معاصر اردو غزل" کے موضوع پر ایک روزہ سیمینار کے خطبۂ صدارت میں پروفیسر عتیق اللہ نے غزل کے فن پر تفصیلی گفتگو کی اور معاصر غزل کے دو رجحانات کا وضاحت سے تذکرہ کیا۔ موصوف نے کہاکہ ایک غزل وہ ہے جس کی بنیاد چالیس برس قبل محمد علوی، ندا فاضلی اور شہریار وغیرہ نے رکھی تھی جس میں مقامی لفظیات اور قریب ترین زندگی اور اس کے تجربات کا عکس ملتا ہے۔ دوسرا رجحان وہ ہے، جس کی نمائندگی بانی کرتے ہیں، جس میں الفاظ اور تراکیب کا عمل حاوی رجحان کی حیثیت رکھتا ہے۔

جدید غزل انھیں دو محوروں پر گردش کر رہی ہے۔ بعد الذکر غزل میں اکثر تصنع بھی در آتا ہے اور ذہنی تجربہ پس پشت چلا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ غزل گو شعرا ان رجحانات میں سے کسے برقرار رکھنا چاہیں گے یا کوئی نیا رجحان ان کو مغلوب کرے گا۔ اس اجلاس میں پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی نے استقبالیہ خطبہ دیا اور افتتاحی تقریر یوسف ناظم نے کی جبکہ حسن کمال نے مہمان خصوصی کی تقریر کی اور ندا فاضلی نے کلیدی خطبہ دیا۔ دو اجلاس پر مشتمل اس سیمینار میں ڈاکٹر یونس اگاسکر، ڈاکٹر صاحب علی، جناب الیاس بنارسی، عبدالاحد ساز، ڈاکٹر معین الدین جینابڑے، مقدر حمید، کلیم ضیاء، قمر صدیقی اور حامد اقبال صدیقی نے اپنے مقالے پیش کیے۔ (قومی آواز دہلی)

بہادر شاہ ظفر کی ۲۲۷ویں برسی پر سیمینار

● آگرہ، 15/اکتوبر۔ "آخری مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر اپنوں کی غیر ذمے داری اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے۔ اگر اس وقت کے مسلم نواب اور ہندو راجہ یکجا ہو کر انگریزوں کے خلاف کارروائی کرتے تو 1857 کی جنگ کو بغاوت یا غدر کا نام دینے کی نوبت نہ آتی بلکہ اسے کامیاب جنگی اقدام قرار دیا جاتا۔" ان خیالات کا اظہار یہاں بہادر شاہ ظفر سیمینار میں کیا گیا۔ ظفر کی 227ویں برسی کے موقعے پر سیمینار کا انعقاد بزم سخن اور انجمن محبان اردو نے مشترکہ طور پر کیا۔ پروگرام کی صدارت رام پور کے ڈاکٹر سید افتخار حسین جعفری نے کی۔ اس موقعے پر احمر جلیسری نے کہاکہ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر نے وقیع ادبی خدمات انجام دی ہیں۔

کلیدی خطبے میں آگرہ کے معروف اخبار "آفتاب عالم تاب" کی روشنی میں مغل فرماں رواؤں خصوصاً بہادر شاہ ظفر اور محمد شاہ کے حالات اور انگریزی حکومت کے ذریعے مغل بادشاہوں پر کیے جانے والے مظالم کا ذکر کیا گیا۔ مرزا غالب کے اس خط کا جائزہ بھی لیا گیا جس میں غالب نے منشی شیو نرائن آرام کو لکھا تھا کہ اس اخبار سے بادشاہ دہلی کے حالات نقل کرا کے بھیج دیں۔ ششی نندن نے ظفر کی تہذیبی وراثت کا تجزیہ پیش کیا اور اسرار اکبر آبادی نے ظفر کی نظمیہ شاعری پر روشنی ڈالی۔ نورالدین ایڈووکیٹ نے 1857 کی جنگِ آزادی پر روشنی ڈالی۔ جلیل اکبر آبادی نے غالب اور بہادر شاہ ظفر کے حالات و تعلقات پر مقالہ پیش کیا۔ وشال ریاض نے نظم پیش کی۔ کنوینر 'بزمِ سخن نما' کلام احمد نے ظفر کی زندگی کے حالات و حادثات پر توقیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ سہیل لکھنوی، ضیا ہاشمی، شرافت علی پرواز، جی ایم بخشی، دل تاج محلی، مرزا شمیم بیگ ایڈووکیٹ، اشفاق بیگ، زبیر احمد، محمد نعیم میاں، عقیل احمد، سید مظفر علی، ارشد عابدی، راحیلہ ہاشمی وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

اردو گھر میں یادِ صفی و تاباں

● حیدر آباد، 28/ستمبر۔ اردو گھر مغلپورہ میں 25 ستمبر کو دبستانِ دکن کے زیرِ اہتمام منعقدہ ادبی اجلاس و مشاعرہ بعنوان "یادِ صفی و تاباں" کو مخاطب کرتے ہوئے صدرِ ادبی اجلاس جناب سید شاہ نورالحق قادری نے کہا کہ حضرت صفی اور حضرت تاباں دبستانِ داغ کے خوشنما پھول تھے۔ ان کے نام اور کلام کو حیدر آباد سے باہر روشناس کروانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سال اردو اکادمی آندھرا پردیش کی جانب سے ایک ایک لاکھ روپے کے پانچ انعامات مخدوم محی الدین، صفی اورنگ آبادی، قلی قطب شاہ، عثمان علی خاں اور مہاراجہ کشن پرشاد کے نام سے دیے جائیں گے۔ ادبی اجلاس کا آغاز حافظ و قاری محمد فضل اللہ خاں کی قرات کلام پاک سے ہوا۔ جناب رؤف رحیم نے حضرت صفی کی مناجات پیش کی اور خطبہ استقبالیہ میں انھوں نے کہا کہ دبستانِ دکن کے بانی حضرت شمس الدین تاباں تھے، ان کے انتقال کے بعد سے اب تک ہر سال یادِ صفی و تاباں کا انعقاد پابندی سے عمل میں آرہا ہے۔ ادبی اجلاس کے مہمانانِ خصوصی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب (لندن)، جناب مصلح الدین سعدی اور جناب جہاندار افسر تھے۔ جناب مضطر مجاز، جناب منظور احمد منظور نے بھی جلسے کو خطاب کیا۔ جناب رؤف رحیم نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ ادبی اجلاس کے ساتھ ہی پروفیسر غیاث متین کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ حسن فرخ، علی الدین نوید اور ستار صدیقی نے بحیثیت مہمانانِ خصوصی شرکت کی۔ صدر اور مہمانانِ خصوصی کے علاوہ خواجہ ضمیر، ثاقب بنارسی، مسرور عابدی، ابوالفاروق شعور، رؤف رحیم، دلاور علی حزیں، امیر قادری، علیم پرواز، یحییٰ جمیل، یوسف روش، سردار سلیم، اسد ثنائی، گوپال کرشنا تنہا، محبوب علی محبوب، طیب پاشاہ قادری، مخلص حیدر آبادی، شاہد عدیلی، کوثر شمس آبادی، وحید پاشاہ قادری، اسداللہ خاں اثر، خلش جگری اور محترمہ افسر رومان نے کلام سنایا۔ جناب وحید پاشاہ قادری نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ حکیم میر یوسف علی وسیم صدر استقبالیہ نے خیر مقدم کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

حیدر آباد میں یومِ زور

● 29/ستمبر 2002 صبح ساڑھے دس بجے "ایوانِ اردو" پنجہ گٹہ حیدر آباد میں، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، بانی ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدر آباد کی چالیسویں برسی کے موقعے پر "یومِ زور" کے عنوان سے ایک ادبی اجلاس کا انعقاد عمل میں آیا، جس کا موضوع "ادارۂ ادبیاتِ اردو کے چند قدیم رفقا" تجویز کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد نے صدارت فرمائی اور جناب منظور احمد منظور نے جلسے کی کارروائی چلائی۔ مقررین میں ڈاکٹر حسن الدین احمد، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب، پروفیسر شریف النسا بیگم، پروفیسر نجمہ صدیقہ کے نام شامل تھے۔ پروفیسر مغنی تبسم نے خیر مقدمی کلمات میں تمام مقالہ نگاروں اور سامعین کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب نے ایک عظیم ادارہ قائم کرتے ہوئے اسے ہمہ جہتی اردو سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ادارے کے معاونین نے ادارے کے قیام و فروغ میں بھرپور حصہ لیا اور "مجلسِ رفقا" بنائی، جس میں ممتاز اشخاص کی علمی و ادبی خدمات کی تحسین کی جاتی ہے۔ مجلسِ رفقا کی فہرست میں کئی روشن نام ہیں: ڈاکٹر محمد ولی الدین، پروفیسر سید محمد، اکبر وفاقانی، مولوی میر حسن، مخدوم محی الدین، محترمہ لطیف النساء بیگم، مہندر راج سکسینہ، سید سلیمان ندوی، محترمہ سکینہ بیگم وغیرہ۔ 1993 میں پروفیسر محمد اکبرالدین صدیقی، نواب میر سراج الدین علی خاں اور 1995 میں راج بہادر گوڑ، محبوب حسین جگر کو رفیق قرار دیا گیا۔ ایک عرصے کی خاموشی کے بعد ہم دوبارہ رفیقِ ادارہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پروفیسر نجمہ صدیقہ نے ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی پر مضمون پیش کرتے ہوئے بتایا کہ جامعہ عثمانیہ کے اولین طالب علموں میں ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی کا شمار ہوتا ہے، آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حکومتِ آصفیہ نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ جانے کا وظیفہ عطا فرمایا۔

واپسی پر سر اکبر حیدری نے محکمہ فنانس میں ایک اہم اعلیٰ عہدے کی پیش کش کی لیکن انھوں نے ملازمت قبول نہ کی اور مزید تعلیم کے لیے کیمبرج گئے، جرمنی سے پی ایچ ڈی کیا۔ ایک سال پیرس میں بطور اسسٹنٹ سائنٹسٹ فرائض انجام دیے۔ 1931 میں جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ فارسی میں پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ 1948 میں وائس چانسلر عثمانیہ یونی ورسٹی مقرر ہوئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

ڈاکٹر حسن الدین احمد نے "ڈاکٹر ہاشم امیر علی" کے زیرِ عنوان مضمون پیش کرتے ہوئے "مجلسِ رفقا" کے چوتھے ممبر ڈاکٹر ہاشم امیر علی کے حالاتِ زندگی پیش کیے اور بتایا کہ انھوں نے قرآنِ مجید کا انگریزی ترجمہ بڑی محنت سے کیا اور اسے شائع کیا۔ انھوں نے اسلامی تقویم، شمسی، قمری پر بھی تحقیق کی اور اہم نکات پیش کیے۔

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب کا مضمون "ڈاکٹر میر ولی الدین کی شخصیت اور ان کی علمی خدمات" پر مشتمل تھا۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو کی شائع کردہ کتاب "تہنیت النساء بیگم زور، شخصیت اور شاعری" کی رسمِ اجرا بھی ڈاکٹر ضیاالدین احمد شکیب نے انجام دی۔

پروفیسر شریف النساء بیگم نے اپنے مضمون "جہاں بانو نقوی" میں اعتراف کیا کہ ویمنس کالج میں ان کے سرچشمہ فیض سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ میں انھیں اپنا استاد ہی نہیں، محسن بھی مانتی ہوں۔ انھوں نے کئی لڑکیوں کو قلم کار بنایا اور لکھنے پڑھنے کی ترغیب دیتی رہیں۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو کے شعبۂ خواتین کی مستقل رکن تھیں اور حیدر آبادی نثر نگار خواتین میں اپنا ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

جناب محمد منظور احمد منظور نے ڈاکٹر زور کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی یادوں کو تازہ کیا اور بتایا کہ چوخانی شیروانی ڈاکٹر زور کا مخصوص لباس تھا جس میں وہ انتہائی پھرتی، چستی کے ساتھ مسلسل علمی خدمات میں مصروف رہتے۔ ڈاکٹر زور، لکچر ایسے دیتے جیسے کوئی مزے کی گفتگو کی جارہی ہے۔ ادارے سے ایسا لگاؤ تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔

جناب محمد منظور احمد منظور کے شکریے پر اجلاس اختتام کو پہنچا۔

(ڈاک سے)

سر سید تقریبات

● علی گڑھ، 17 اکتوبر۔ "سر سید احمد خاں کے افکار کی تشہیر اور مسلمانوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے کے لیے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی طرز پر بھوپال میں ایک دانش گاہ قائم کی جائے گی۔" آج یہاں مدھیہ پردیش کے وزیرِ اعلیٰ دگ وجے سنگھ نے یہ اعلان کیا اور کہا کہ اس کے لیے ایک کروڑ روپے اور مفت زمین فراہم کی جائے گی۔

سر سید کے 185ویں یومِ ولادت کے موقعے پر مسلم یونی ورسٹی کے ایک تہنیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو جدید تعلیم کو اپنانے اور مغربی طرزِ معاشرت اختیار کرنے کا مشورہ دے کر سر سید نے انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ مسٹر سنگھ نے مذہب کی سیاست کو معاشرے کے لیے مضر قرار دیتے ہوئے سیاست دانوں سے کہا کہ وہ ملک کے اتحاد اور سالمیت کو اس خطرے سے بچائیں اور فرقہ وارانہ فساد کرنے والوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں جن کی تعداد ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک فی صد سے زیادہ نہیں۔

مسٹر دگ وجے سنگھ نے کہا کہ میں دینی تعلیم کے حق میں ہوں اور میری خواہش ہے کہ دینی مدارس کو جدید دور کا مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جائے تاکہ مسلم معاشرہ ترقی کرسکے اور وقت کا ساتھ دے سکے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کو ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے اور یوم سر سید کی تقریبات کو پوری دنیا میں بہت ہی جوش و عقیدت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس ادارے کے فرزند دنیا بھر میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور ملک و قوم کی شاندار خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس سے قبل اپنے خطبۂ استقبالیہ میں وائس چانسلر نسیم احمد نے کہا کہ سر سید احمد خاں نے 1875 میں علم کی جو شمع علی گڑھ میں روشن کی تھی، اس کی شعائیں پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں اور علی گڑھ تحریک نے عالمی تحریک کا روپ اختیار کرلیا ہے۔ انھوں نے طلبہ سے اپیل کی کہ وہ ہر شعبے میں درجہ کمال حاصل کریں، تعلیم میں، تحقیق میں، اخلاق و تہذیب میں، کھیل کود کے میدان میں، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اور سب سے بڑھ کر مقابلے کے امتحانات میں۔

اس موقعے پر شعبۂ انگریزی کے استاد پروفیسر فرحت اللہ خاں، آرٹس فیکلٹی کے ڈین پروفیسر سید جعفر رضا زیدی، طالبہ ماریہ حبیب اور طالب علم فیض عظیم نے بھی سر سید کی حیات و خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یونی ورسٹی رجسٹرار ایس ایم افضل نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور ڈین اسٹوڈنٹس ویلفیئر پروفیسر اے کے جعفری نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس سے قبل یونی ورسٹی کی جامع مسجد میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور وائس چانسلر نے سر سید کے مزار پر گلہائے عقیدت پیش کیے۔ وائس چانسلر نے یونی ورسٹی سرکل کا بھی افتتاح کیا۔ اس موقعے پر مولانا آزاد لائبریری کی طرف سے تیار کردہ "سر سید اور علی گڑھ تحریک پر منتخب کتابیات" اور

کشمیری زبان میں سر سید پر ڈاکٹر مشتاق حسین منتظر کی کتاب کا بھی وائس چانسلر نے اجرا کیا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

● نئی دہلی، 19 ر اکتوبر۔ شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی میں سر سید احمد خاں کے یوم ولادت کے موقعے پر یوم سر سید کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر صدر شعبۂ اردو پروفیسر صادق نے کہا کہ سر سید کی شخصیت ہمہ جہت ہے۔ ادب، سیاست، تعلیم اور سماجی اصلاح کے تعلق سے ان کے کاموں کی فہرست طویل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سر سید شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کے سچے وارث تھے۔ وہ جدید نثر کے بانی ہیں اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ "گزرا ہوا زمانہ" مضمون نہیں ہندستانی ادب کا پہلا افسانہ ہے۔ "آثار الصنادید" میں جس تحقیقی درک کا ثبوت انھوں نے فراہم کیا ہے، وہ اردو تحقیق کا پیش خیمہ ہے۔

پروفیسر عبدالحق نے سر سید کی شخصیت کو مسلم تاریخ کا سب سے بڑا ستون قرار دیتے ہوئے کہا کہ سر سید پہلے شخص تھے جس کے فکر و عمل کا تنوع بین الاقوامی اور آفاقی ہے۔ وہ مغرب کے علم و دانش اور فکر و شعور نیز قوت جہد و عمل کے ان معنوں میں شیدائی تھے کہ اس کے توسط سے مسلمانوں میں ترقیاتی انقلاب لانا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر ابن کنول نے کہا کہ سر سید نے جہاں معاشرے اور ادب کو نئی جہت اور اسلوب عطا کیا، وہیں اخوت و محبت، ہمدردی اور دل سوزی کا پیغام بھی عوام تک پہنچایا۔

ڈاکٹر علی جاوید نے کہا کہ سر سید نے تعلیمی و معاشی سطح پر مسلمانوں میں استحکام پیدا کرنے کی عملاً جو سعی کی وہ وقت اور حالات کا تقاضا تھا۔ وہ تمام تر تعصبات سے پاک تھے اور ملک و ملت کی یکساں ترقی ان کا مطمح نظر تھا۔ ڈاکٹر توقیر احمد نے سر سید کے فلاحی کاموں اور بعد کے علما پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا۔

شعبۂ اردو الہ آباد کے استاد ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے کہا کہ سر سید کی خدمات کی مختلف جہتیں ہیں۔ وہ ادب کے معمار ہیں اور ان کے فکر و عمل کے اثرات پورے برصغیر پر مرتسم ہوئے۔ پروفیسر اسلم آزاد (پٹنہ یونی ورسٹی) نے ان کے ادبی کاموں پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی نے بھی سر سید کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ (قومی آواز، دہلی)

● نئی دہلی، 18 ر اکتوبر۔ سر سید احمد خاں کی 185 ویں سالگرہ کے موقعے پر ماہنامہ محفل صنم کے زیر اہتمام ایوان غالب میں ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا جس میں "جدید ہندستان اور سیکولرزم کے تناظر میں سر سید کا نظریہ" کے موضوع پر اظہار خیال کے علاوہ مختلف میدانوں میں نمایاں کارکردگی انجام دینے والی شخصیات اور اداروں کو 2002 کے سر سید نیشنل ایوارڈ سے سر فراز کیا گیا۔ اس موقعے پر منعقدہ کل ہند مشاعرے میں دہلی و بیرون دہلی کے معروف شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ جلسے کی صدارت سابق مرکزی وزیر چترانن مشرا نے کی اور نظامت کے فرائض شہلا نواب نے انجام دیے۔ اس موقعے پر دوردرشن و آل انڈیا ریڈیو کے ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل یعقوب قریشی، بھوپال اردو اکادمی کے صدر عزیز قریشی، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے سکریٹری اتل کمار انجان، چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ کے وائس چانسلر رمیش چندر، پروفیسر قمر رئیس، رکن اسمبلی چودھری متین، نصیب سنگھ بھی بطور مہمانان خصوصی موجود تھے۔

جن شخصیتوں اور اداروں کو سر سید نیشنل ایوارڈ برائے 2002 سے سر فراز کیا گیا۔ ان میں سماجی و عوامی خدمات کے لیے رونق جمال اور عبدالمنان کو، شاعری کے لیے مبارک شمیم کو، تنقید کے لیے دیویندر راستر کو، ہندی تنقید کے لیے وشوناتھ ترپاٹھی کو، اردو فکشن کے لیے رتن سنگھ کو، ہندی فکشن کے لیے بھیشم ساہنی کو، فروغ اردو زبان کے لیے رمیش چندر کو، تعلیمی ترقی کے لیے محمد اسرائیل کو اور اقتصادی فروغ کے لیے اے اے نقوی کو سر سید نیشنل ایوارڈ دیا گیا۔ اس کے علاوہ بہترین اردو میڈیم اسکول کے لیے مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول کو ایوارڈ دیا گیا جب کہ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ سے پروفیسر اے ایم خسرو کو نوازا گیا۔ مدھیہ پردیش اردو اکادمی کو بہترین اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔

الیکٹرانک میڈیا کے لیے بی بی سی کے ستیش جیکب، قمر وحید نقوی اور دوردرشن کی نیوز ریڈر ثمینہ کو سر سید نیشنل ایوارڈ دیا گیا جب کہ پرنٹ میڈیا کے لیے ایس ایم مہدی، آنند کے سہائے اور صلاح الدین نیر کو یہ ایوارڈ دیا گیا۔ اس موقعے پر ایس وائی قریشی نے محفل مشاعرہ کی شمع روشن کی۔ مشاعرے کی صدارت مبارک شمیم اور موج رامپوری نے کی۔ مشاعرے میں محمد علی موج، صالحین فہمی، ماجد دیوبندی، ساغر خیامی، معین شاداب، اقبال اشہر، یونس فرحت، شکیل حسن شمسی، اقبال فردوسی، حسن کاظمی، اعجاز انصاری، قاصر سہسوانی، جہاز دیوبندی، شبینہ ادیب، عظیم شاکری، اشوک ساحل، مبارک شمیم، انور امجدی، گزیز سہسوانی، احمد عرفان اور دیگر شعرا نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔ (ڈاک سے)

● علی گڑھ، 25 ر اکتوبر۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق پروکٹر پروفیسر ہمایوں مراد نے کہا کہ آج مسلمانان ہند کا عصری علوم سے لگاؤ سر سید کا مرہون منت ہے۔ پروفیسر مراد وٹریکٹ کلب اور انجمن جمعیتہ الانصار کی جانب سے منعقدہ خصوصی تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی اظہار خیال کر رہے تھے۔ ممبر اسمبلی وویک بنسل نے کہا کہ سر سید نے مسلمانوں کی ہی

نہیں بلکہ مظلومین کی تعلیم کی تحریک شروع کی، اس لیے جو لوگ انھیں مسلم فرقہ پرست سمجھتے ہیں وہ دراصل تنگ نظر ہیں۔ اے ایم یو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی نادر مثال ہے۔ شعبۂ قانون کے استاذ ڈاکٹر شکیل ہمدانی نے کہا کہ سرسید نے برطانوی حکومت میں ملازمت کرتے ہوئے اسباب ''بغاوتِ ہند'' لکھی اور پوری زندگی ملت کے لیے وقف کردی۔ انھوں نے کہا کہ اسلام اخلاق، امن، بھائی چارے اور نجات کا مذہب ہے۔ جلسے کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر دیارام نے کہا کہ تعلیم ہی وہ نسخہ ہے جو ہمیں سماجی، اقتصادی، سیاسی اور دیگر شعبوں میں اعلیٰ مقام دلا سکتا ہے۔ اس موقعے پر پرنسپل انٹر کالج سید وکیل احمد، ایٹہ نگرپالیکا کے صدر اشرف حسین، جعفر علی فاروقی، سمیر احمد انصاری اور صابر نے بھی اظہار خیال کیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ نظامت کے فرائض ندیم فرخ نے انجام دیے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

● پٹنہ، 18/اکتوبر۔ اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بہار کے زیرِ اہتمام پٹنہ کے اے این سنہا انسٹی ٹیوٹ میں سرسید احمد خاں کا یومِ پیدائش جوش خروش کے ساتھ منایا گیا۔

تقریب میں مہمانِ خصوصی کلدیپ نیر کے ہاتھوں سب سے پہلے علی گڑھ سوونیئر کا اجرا کیا گیا۔ مہمانِ اعزازی کے طور پر سابق مرکزی وزیر عارف محمد خاں کے علاوہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے ڈائرکٹر ضیاء الدین انصاری بھی موجود تھے۔

عارف محمد خاں نے سرسید احمد خاں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ سرسید کی تصویر بہت بڑی تھی مگر لوگوں نے ان پر فریم بہت چھوٹا لگادیا۔ سرسید نے جس زمانے میں موڈرن ایجوکیشن کی بنیاد رکھی تھی، اس زمانے میں انگلش کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔

کلدیپ نیئر نے اس موقع پر کہا کہ میں اس ایسوسی ایشن کا مستقل ممبر ہوں، اس ناطے آج مجھے یہاں آکر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سرسید کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی ضرورت ہے۔ مسٹر ضیاء الدین انصاری نے کہا کہ سرسید احمد خاں نے جس محنت اور لگن سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی قائم کی، وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ اگر سرسید کی مخالفت سخت نہ ہوتی تو شاید مشن بھی اتنا کامیاب نہ ہوتا۔ محمد جمال صاحب کی تلاوتِ کلام پاک سے پروگرام شروع ہوا اور ننھے منے بچوں اور بچیوں کے ذریعے آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کیا گیا۔ اے ایم یو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری نصر الہدیٰ خاں نے ایسوسی ایشن کی رپورٹ پیش کی جبکہ ایس اے عابدین، اختر حسین آفتاب، ناصر حسین حبیبی کرنل شفیع صاحب نے سرسید کو خراج عقیدت پیش کیا۔ نظامت کے فرائض مسٹر پرویز نے نبھائے۔ چیف پیٹرن یعقوب یونس نے اے ایم یو طلبہ سے اپنی روایت کو برقرار رکھنے کی اپیل کی۔

اس تقریب میں اخلاق احمد ممبر اسمبلی، بہار اردو اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر رضوان احمد اور اسرار جامعی بھی موجود تھے۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

● سہارنپور، 17/اکتوبر۔ سرسید احمد خاں کے 185ویں یوم پیدائش پر سرسید کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے 'سہوگ' سماجی تنظیم نے ایک تقریب کا انعقاد یہاں مخزن العلوم میں کیا۔ تقریب کا آغاز مولانا فرید مظاہری نے تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔ اعزازی مہمان الیاس احمد اور سہوگ کی صدر فرزانہ شاہد نے شمع روشن کی۔ ضلع مجسٹریٹ سریش چندر مہمانِ خصوصی تھے۔ صدارت حاجی فضل الرحمٰن قریشی علیگ نے کی۔ نظامت پروفیسر یوگیش چھمر نے کی۔ اس موقعے پر سہوگ کی طرف سے تعلیم، تصنیف و تالیف، قومی یکجہتی اور صحافت کے میدان میں نمایاں خدمات ادا کرنے والی شخصیات ڈاکٹر ترپتا بالا ترکھا پرنسپل دگمبر جین گرلز کالج، اختر علی خاں پرنسپل اسلامیہ انٹر کالج اور ڈاکٹر جاوید جمیل کے علاوہ نینا جین، اشرف عثمانی، ضیا عباس زیدی اور مولانا فرید کو اعزاز سے نوازا گیا اور شال اور مومینٹو پیش کیے گئے۔ مہمانِ خصوصی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سریش چندر نے کہا کہ سرسید کو اس سے بہتر خراج عقیدت نہیں ہو سکتا کہ ہم جدید علوم اور سائنس کے اداروں کا قیام عمل میں لائیں اور تعلیم کو فروغ دیں۔ سینئر ایڈووکیٹ انور علی نے اپنے کلیدی خطبے میں کہا کہ سرسید نے عصری علوم اور سماجی ترقی میں مسلمانوں کی حصے داری کو یقینی بنانے کے لیے ہر طرح کی مخالفت برداشت کی، ان پر کفر کے فتوے بھی لگے، لیکن سرسید نے ہار نہیں مانی۔ کانگریس لیڈر راوابھوشن نے سرسید پر انگریز پرستی کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ سرسید نے قوم کو علم کا ہتھیار دے کر انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا بگل بجانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ پروفیسر یوگیش اور پروفیسر سریندر نشچل نے سرسید کو عصری علوم اور جدید نظریات کا پیشوا بتایا۔ حافظ نوشاد نقش نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

● سہارنپور، 18/اکتوبر۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی ایسوسی ایشن کے سابق صدر انصاف پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر بصیر احمد خاں نے اسلامیہ انٹر کالج میں سرسید ڈنر کی تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے سرسید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ سرسید نے مسلمانوں میں سائنٹفک تعلیمی نظریے کو فروغ دے کر مسلمانوں کی سوچ کا دھارا بدل دیا تھا۔ علی گڑھ

تحریک ملی تحریکوں میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بصیر احمد خاں نے جدید عصری علوم کے اداروں کے قیام پر زور دیتے ہوئے کہا کہ آزادی کے بعد مسلمانوں میں دینی مدارس کا تو جال بچھ گیا ہے لیکن اسکولوں اور کالجوں کے قیام سے غفلت برتی جارہی ہے۔ تقریب کے دوسرے مہمان ڈاکٹر ظفر محمود نے اسلام میں علم کی اہمیت کو قرآن اور احادیث کے حوالے سے پیش کیا اور دینی مدارس میں عصری علوم کو بڑھانے پر زور دیا۔ انھوں نے مساجد میں مکاتب کے قیام کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ممبر پارلیمنٹ منصور علی خاں نے کہا کہ سر سید ڈے کے موقعے پر ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی سابق صدر صبوحی افتخار نے کہا کہ اس دن کو یوم تعلیم کی حیثیت سے منایا جانا چاہیے۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے "سر سید اور سہارنپور سے ان کا رشتہ" کے موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ قاری محمد اسحاق حافظ نے سر سید کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

(راشٹریہ سہارا دہلی)

●حیدر آباد، 27/اکتوبر۔ "سر سید کا سب سے بڑا کارنامہ علی گڑھ یونیورسٹی ہے جسے انھوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہندستان میں مسلمانوں کا تعلیمی پس منظر کچھ اور ہی ہوتا۔" ان عالمانہ خیالات کا اظہار جسٹس سردار علی خان سابق صدر قومی اقلیتی کمیشن نے اپنے صدارتی خطبے میں کیا۔ وہ ادارہ تہذیب ادب کے زیر اہتمام اردو ہال میں منعقدہ ایک سمپوزیم بعنوان "سر سید شخصیت اور کارنامہ" کی صدارت کررہے تھے۔ انھوں نے سر سید کے قابلِ تحسین خدمات کا بطور خاص ذکر کیا اور فرمایا کہ سر سید نے تعلیم کو تربیت سے مربوط رکھنے کے لیے مغرب سے بڑا ہی مدبرانہ اکتسابِ فیض کیا اور آکسفورڈ اور کیمبرج یونی ورسٹیوں کے نہج پر علی گڑھ میں اقامتی درسگاہ قائم کی اور ان کے اس عزم صمیم کی بدولت علی گڑھ سے ایسے فارغ التحصیل دانشور نکلے جنھوں نے نہ صرف ہندستان بلکہ پاکستان کو بھی ایک نئی تہذیبی روشنی بخشی۔ اس سمپوزیم کو پروفیسر افضل محمد سابق وائس چانسلر ڈاکٹر امبیڈکر اوپن یونی ورسٹی، حیدر آباد نے بطور مہمان خصوصی مخاطب کیا اور اپنے خطاب میں انھوں نے حیات سر سید کے ایک اہم گوشے کی نشاندہی کی۔ آپ نے کہا کہ سر سید دراصل ہندستانی نوجوان نسل کی ذہنی تربیت کے خواہاں تھے اور بڑی حد تک انھوں نے اپنی حیات میں اس مشن کو کامیابی سے چلایا اور علی گڑھ کو ایک تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے انھوں نے ایسے نوجوانوں کی ایک فصل تیار کی جنھوں نے برصغیر کے ہر شعبۂ حیات میں ناقابلِ فراموش رول ادا کیا۔ اس سمپوزیم سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر سیدہ جعفر، سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ نے "سر سید کے سماجی تصورات" کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ پڑھا۔ فاضل مقالہ نگار نے کہا کہ سر سید نے قدیم مشرقی نصابِ تعلیم اور مشرقی تعلیمی نظام کو رد کر کے نئے تعلیمی رجحانات سے قوم کو روشناس کرایا۔ جناب مصلح الدین سعدی ماہر اقبالیات نے اپنے مقالے 'سر سید اور شبلی' میں سر سید اور شبلی کی رفاقت اور بعض مسائل میں رفیقانہ اختلافات کا بھی ذکر کیا اور یہ بات دعوے کے طور پر کہی کہ شبلی جیسے بے بدل مورخ اور اعلیٰ قسم کے ناقد اور عظیم دانشور کی تربیت اور پرداخت میں سر سید کا بڑا حصہ تھا۔ نیویارک سے آئی ہوئی فاطمہ شہناز نے سر سید پر ایک فکر انگیز مقالہ بہ زبان انگریزی پڑھا۔ مقالے کا عنوان 'سر سید اور مسلمان قوم کی شناخت' تھا۔ ڈاکٹر فاطمہ شہناز نے بیک وقت مشرق و مغرب کی مختلف تحریکوں کا تقابل اور ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ڈگلس نے امریکی عوام کے لیے تاریخ کی ڈگر بدل کر رکھ دی، بالکل اسی طرح سر سید احمد خاں نے ہندستانی مسلمانوں کو ایک باعزت قوم کا رتبہ دلانے میں تاریخی رول ادا کیا۔ جناب محمد اسحاق ماہر تعلیم اور سابق پرنسپل سلطان العلوم کالج آف ایجوکیشن نے اپنا مقالہ 'سر سید کے تعلیمی تصورات' پڑھا۔ آپ نے حوالوں کے ذریعے سر سید کی شخصیت اور ان کے پیام پر روشنی ڈالی۔

جسٹس سردار علی خان نے ادارہ تہذیب ادب کی سرگرمیوں کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ خاموش انداز میں سماجی و تہذیبی شعور کی بیداری کے لیے نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ ابتدا میں جناب ایم اے مقیت نائب صدر ادارہ تہذیب ادب نے بحیثیت کنوینر سمپوزیم سامعین کو مخاطب کیا اور جناب ایم اے صدیقی معتمد عمومی نے خیر مقدمی تقریر کی اور ساتھ ہی ساتھ ادارے کی سرگرمیوں سے سامعین اور مہمانوں کو واقف کرایا۔ جناب سید حسین نائب صدر ادارہ نے دلچسپ انداز میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نظامت کے فرائض انجام دیے۔ جناب میر شجاعت علی کلچرل سکریٹری ادارے کے شکریہ پر اس سمپوزیم کا اختتام ہوا۔

(رہنمائے دکن، حیدر آباد)

آل احمد سرور کی یاد میں
نہرو سینٹر لندن میں جلسہ

●لندن۔ اے ایم یو اولڈ بوائز المنی ایسوسی ایشن، لندن اور نہرو سینٹر کے زیر اہتمام اردو کے ممتاز نقاد، شاعر اور دانشور پروفیسر آل احمد سرور کی یاد میں نہرو سینٹر لندن میں ایک یادگار ادبی جلسے کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس

تقریب کے حصہ اوّل یعنی نثری حصے کی صدارت ڈاکٹر شہناز سوری اور دوسرے حصے یعنی مشاعرے کی صدارت کے فرائض ممتاز شاعر جناب ساقی فاروقی نے انجام دیے اور نظامت ایسو سی ایشن کے اعزازی عہدیدار ڈاکٹر ہلال فرید نے فرمائی۔ جلسے کا آغاز کرتے ہوئے ڈاکٹر شہناز سوری نے کہاکہ سرور صاحب نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے ضمن میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کی بنیاد پر زبان و ادب نے بدلتے ہوئے حالات میں بھی غیر معمولی ترقی و وسعت حاصل کی۔ ان کے بعد علی گڑھ کے ایک اولڈ بوائے اور بی بی سی لندن کے رپورٹر پرویز عالم نے سرور صاحب سے اپنے مراسم کاذکر کرتے ہوئے کہاکہ وہ کبھی ان کے شاگرد نہیں رہے لیکن ان کی شخصیت سے بے حد متاثر رہے ہیں۔ تاریخ داں اور محقق ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے مرحوم کی شخصیت اور ان کی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کو سراہا۔ مرحوم کے شاگرد اور معروف شاعر ہمایوں ظفر زیدی نے انگریزی میں لکھی ہوئی ایک دلچسپ تقریر سے سامعین کو مسحور کیا۔ بی بی سی، لندن کی فنکارہ ممتا گپتا نے اپنی بنائی دھنوں پر سرور صاحب کی غزلیں پیش کیں۔ مرحوم کی ایک غزل مقامی شاعر جناب باسط کانپوری نے اپنے مخصوص ترنم میں پیش کی۔ جلسے کے دوسرے حصے یعنی مشاعرے کا آغاز ناظم مشاعرہ ڈاکٹر ہلال فرید نے اپنی ایک نظم سناکر کیا اور اختتام صدر مشاعرہ جناب ساقی فاروقی کی تازہ ترین غزل پر ہوا۔ دیگر شریک شعرا میں باسط کانپوری، پشپ تمنا، مصطفیٰ شہاب، سومن راہی، عقیل دانش، صدیقہ شبنم، اکبر حیدر آبادی اور ہمایوں ظفر زیدی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اس تقریب میں سرور صاحب مرحوم کی صاحبزادی مہہ جبیں صاحبہ اور لندن کی جن دیگر معروف شخصیات نے شرکت فرمائی ان میں رضا علی عابدی، یاور عباس، شمس الدین آغا، ڈاکٹر جاوید شیخ، ڈاکٹر رسال الدین اور افتخار احمد صدیقی کے نام اہم ہیں۔ اس تقریب کا انعقاد ڈاکٹر خورشید حسن، ڈاکٹر معید صدیقی اور ڈاکٹر ہلال فرید کی مساعی اور نہرو سینٹر کے تعاون سے عمل میں آیا۔ (سیاست جدید، کانپور)

علامہ اقبال کے یوم پیدائش پر یوم اردو

● نئی دہلی، 9 رنومبر، دانشوروں، ماہرین تعلیم اور صحافیوں نے اردو سے محبت کرنے والوں سے زور دے کر کہاکہ انھیں اپنی مادری زبان کی ترقی کے لیے زبانی جمع خرچ کرنے کے بجائے عملی ثبوت دینا پڑے گا، نیز اردو کے فروغ و اشاعت کی کوئی بھی مہم گھر کی خواتین کی شرکت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مقررین آج یہاں شاعر مشرق علامہ اقبال کی یوم پیدائش کی مناسبت سے منعقدہ اردو ڈے کے موقعے پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ اس تقریب کا اہتمام سماجی اور ثقافتی تنظیم "یونائیٹڈ مسلم آف انڈیا" نے کیا تھا۔ تقریب کے مہمان خصوصی خواجہ حسن ثانی نظامی نے کہا کہ حالات و واقعات نے اب اس امر پر یقین کرنے کے لیے مجبور کر دیا ہے کہ اردو سب کی زبان نہیں ہے بلکہ اب یہ صرف مسلمانوں کی زبان رہ گئی ہے۔ انھوں نے کہاکہ مسلمان جب تک اس تلخ حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک اپنی مادری زبان کی ترقی کے لیے کوئی حقیقی عملی منصوبہ نہیں بنا سکتے۔ انھوں نے کہاکہ ہمیں خاص طور پر اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو اس زبان سے روشناس کراتا ہوگا اور اس کی ترقی کی مہم میں گھر کی خواتین کو بھی شامل کرنا ہوگا تبھی 'مادری زبان' کی ترقی ممکن ہے۔ جواہر لال نہرو یونی ورسٹی کے سابق پروفیسر محمد حسن نے بھی اردو کی ترقی کی تحریک میں خواتین کو شریک کرنے کی وکالت کرتے ہوئے کہاکہ بچوں پر ماں کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہاکہ اردو کے سلسلے میں حکومت کے عدم تعاون کا رونا رونے کے بجائے ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم اس کی ترقی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔

انھوں نے کہاکہ اردو کا رشتہ اپنے گھر سے جوڑے بغیر اس کی ترقی کی امید کرنا محض خوش فہمی ہوگی۔ تقریب کی صدارت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو کے صدر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کی۔ انھوں نے اردو کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہاکہ ہمیں اس زبان کے تعلق سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عوام کی زبان ہے اور اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

"کمپیوٹر ویب اساس اردو تدریس" کی پانچ روزہ ورکشاپ کا افتتاح

● نئی دہلی، 31 راکتوبر۔ 'کمپیوٹر ویب اساس اردو تدریس' کے موضوع پر منعقدہ پانچ روزہ قومی ورکشاپ کا انعقاد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے خیابان اجمل کے کانفرنس ہال میں کیا۔

اس موقعے پر انھوں نے کہاکہ ثقافتی سطح پر اردو زبان کے تئیں جو دلچسپی پیدا ہو رہی ہے، ویب اساس اردو تدریس کے ذریعے اس کو بہتر انداز میں فروغ دیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے بتایاکہ جلد ہی جامعہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک اہم مرکز بننے والا ہے۔ اس ورکشاپ کو ایک خوش آئند قدم قرار دیتے ہوئے وائس چانسلر نے کہاکہ یہ کورس جلد ہی خود کفیل کورس بن جائے گا۔ جامعہ کے رجسٹرار پروفیسر زاہد حسین خان

نے کہا کہ اس ویب اساس اردو تدریس میں تلفظ کی ادائیگی کے لیے آواز کی سہولت ہے تاکہ نئے لوگ آسانی سے اردو سیکھ سکیں۔ پروفیسر اشوک چکردھر نے ویب اساس اردو تدریس کو ایک انقلابی قدم بتایا۔

پروفیسر ضیاء الحسن ندوی نے کہا کہ انقلاب کو قبول کرنے کی صلاحیت جامعہ میں ابتدا ہی سے ہے۔ قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے پروگرام کی غرض و غایت بیان کی اور کہا کہ اس کے ذریعے اردو والوں کا حلقہ وسیع ہوگا۔ ورکشاپ کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر خالد محمود نے پروگرام کی نظامت کی۔ پروگرام کا آغاز احمد علی صدیقی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ (راشٹریہ سہارا اوکھلی)

تربیتی کورس کا انعقاد

● پٹنہ، 9/اکتوبر "حالات کے جبر اور ترقی کی تیز رفتاری نے اردو کے تہذیبی ماحول سے ہمارے طلبہ کو دور کر دیا ہے۔ اب ان کے لیے ہمارے کلاس روم ہی وہ تجربہ گاہ ہیں جہاں وہ اردو کے اصل ماحول اور مخصوص تہذیب و تمدن کی حقیقی جھلک پا سکتے ہیں۔ اس لیے ہمارے اساتذہ کی دوران تدریس ذمے داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ انھیں اپنے طلبہ کو نصاب اور اسباق کی تدریس تک محدود نہیں رہنا ہے بلکہ اپنے کلاس روم کو اردو کے مخصوص تہذیب اور ثقافتی ماحول کا آئینہ دار بھی بنانا ہوگا۔" شعبۂ اردو — کالج آف کامرس، پٹنہ اور اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ تربیتی کورس میں "شعر کی تدریس" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے معروف ناول نگار اور اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، لکھنؤ کے پرنسپل ڈاکٹر غضنفر نے آج یہ باتیں کہیں۔ ماقبل تدریس، تدریس اور مابعد تدریس تین شعبوں میں تقسیم کرکے ڈاکٹر غضنفر نے شعر کی تدریس کے اطوار مقرر کیے۔ انھوں نے تفصیل سے ان امور کا ذکر کیا جن کی مدد سے اساتذہ اپنی تدریس کو دلچسپ کارآمد اور مؤثر بنا سکتے ہیں۔ انھوں نے تدریسی فضا کو استحکام عطا کرنے کے لیے بیت بازی، پہیلیاں اور دوسرے معموں اور لسانی کھیلوں کے استعمال کی وکالت کی۔ انھوں نے مخصوص ادبی سماجیات کی طرف بھی اساتذہ کی توجہ مرکوز کرائی اور دوران تدریس طلبہ تک ان کی ترسیل کو درس کا حصہ بتایا۔ تربیت کے لیے آئے اساتذہ اور ریسرچ اسکالروں میں سے ڈاکٹر جمشید قمر، ڈاکٹر مشتاق احمد، ڈاکٹر سرور ساجد اور محترمہ درخشاں زریں نے چند سوالات اٹھائے، جن کے جوابات ڈاکٹر غضنفر نے دیے۔

پروفیسر اسلم آزاد، صدر شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی نے "اردو ناول کی تدریس کے مسائل" پر گفتگو کرتے ہوئے عزیز احمد کے ناول "گریز" اور "ایسی بلندی ایسی پستی" پر اپنا پہلا لکچر دیا جس میں انھوں نے بتایا کہ عزیز احمد کے ساتھ اردو کے ناقدین اور قائدین نے انصاف نہیں کیا۔ ان کا خیال ہے کہ اردو کے عظیم ناول نگاروں میں عزیز احمد کا نام کافی اہم ہے۔

پروفیسر اسلم آزاد نے دوسرے سیشن میں خدیجہ مستور کے مشہور ناول "آنگن" کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنے خطبے میں بتایا کہ اکثر ناول نگاروں نے تقسیم کے المیے کو جذباتیت کے آئینے میں دیکھا اور بعض ایسے ناول سامنے آئے جن میں یک رخا انداز تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی سیاست کے تئیں انصاف پسندانہ رویہ صرف آنگن میں دکھائی دیتا ہے۔

پروفیسر موصوف نے بتایا کہ یہ ناول سادگی اور سلامت روی سے آگے بڑھتا ہے۔ کہیں کوئی دقیق فلسفہ نہیں، پیچیدگی کو دخل نہیں، لیکن کرداروں کی صحیح نشو و نما اور لفظ و بیان پر مہارت نے اس ناول کو اردو کے لازوال ناولوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ پروفیسر اسلم آزاد کے لکچر کے بعد ڈاکٹر غضنفر نے آنگن کے تعلق سے اپنے تاثرات بھی پیش کیے۔

(قومی تنظیم، پٹنہ)

● پٹنہ، 10/اکتوبر۔ متن کا آزادانہ وجود ہوتا ہے اور لفظ و بیان کے معنی اور مفاہیم طے شدہ نہیں ہوتے۔ تہذیب و ثقافت اور ماحول سے لفظوں اور متون کو غور و فکر کے نئے وسائل فراہم ہوتے ہیں۔ زبان کا وہی سلسلہ آگے چلتا ہے جسے عوام میں مقبولیت ملے۔ زبان کو عوامی پذیرائی سے ہی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ اور اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ 10 روزہ اورینٹیشن کورس سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر وہاب اشرفی نے مذکورہ باتیں کہیں۔

پروفیسر وہاب اشرفی نے کہا کہ لفظ اصل میں نشانات ہیں۔ ان کے معانی طے نہیں۔ تہذیب و تمدن وہ بنیادی عوامل ہیں جن سے ان لفظوں میں مفاہیم بھرے جاتے ہیں۔ زبانوں کو اگر مخصوص کلچر کا تناظر نہ عطا ہو تو پھر وہ اپنی اصلیت چھوڑ دیتی ہیں۔ پروفیسر اشرفی نے چامسکی، سوسیر اور رولاں باتھ جیسے ماہرینِ لسانیات کے حوالوں سے اپنی گفتگو کو استحکام بخشا۔ انھوں نے لسانیات کے جدید رجحانات اور مباحث کو اپنے لکچر کا بنیادی موضوع بتایا۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

گوا میں این سی ای آر ٹی کا
اردو نصابی کتابوں پر ورکشاپ

● حیدرآباد، 10/اکتوبر۔ اردو، جنوبی ہندستان کی گوا جیسی چھوٹی

ریاست میں بھی عوام سے مربوط ہے۔ یہاں کئی اسکولوں اور مدارس میں اردو کی باضابطہ تعلیم کے انتظامات ہیں۔ اس تعلق کو مزید مضبوط بنانے اور اردو تعلیم کو فروغ دینے کے خیال سے این سی ای آر ٹی نے اردو نصابی کتابوں کا ایک اہم قومی ورکشاپ پروفیسر صابرین کی نگرانی میں 25 تا 30 ستمبر گوا کی راجدھانی میں وہاں کے جدید اردو ہائی اسکول کے تعاون سے منعقد کیا۔ اس ورکشاپ میں ملک کے ماہرین کے علاوہ مقامی اردو اساتذہ اور خواتین اردو ٹیچرس نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور بارھویں جماعت کی اردو نصابی کتاب کے مسودے کو طباعت کے لیے قطعیت دے دی۔ 25 ستمبر کو 11 بجے دن انجمن نور السلام کے کانفرنس ہال میں اختتامی اجلاس پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ محترم علی شاہ انجمن نورالسلام مہمان خصوصی تھے۔ پروفیسر محمد صابرین نے تعارفی تقریر میں ورکشاپ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ اردو میں اسلامی لٹریچر کا بھی بہت بڑا اور گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔ اس سے استفادے کے لیے اردو سے واقفیت ضروری ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے کہا کہ ہندستان کی قومی تہذیب اور جمہوریت کی بقا کے لیے اردو جیسی قومی زبان کا فروغ بھی ضروری ہے۔ پروفیسر اشرف رفیع نے خواتین پر زور دیا کہ وہ نئی نسلوں کو ان کی اپنی مادری زبان سے لازمی طور پر روشناس کروائیں۔ محترم علی شاہ نے بتایا کہ انجمن نورالسلام کے اسکول اور تعلیمی سرگرمیوں کے لیے ایک کروڑ کی لاگت سے ایک اور بڑی بلڈنگ جلد تعمیر کی جائے گی۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے صدارتی کلمات میں کہا کہ اردو نے اب جغرافیائی حدود کو پار کر کے ہندستان کے باہر بھی لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی ہے۔ ابتدا میں جناب سلیمان شیخ کرول نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ جناب سلیمان شیخ کرول نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ جناب عبدالعزیز ملاؔ نے شکریہ ادا کیا۔ (منصف، حیدرآباد)

بلگی میں اردو اساتذہ کا تربیتی پروگرام

● بلگی، 7/ اکتوبر۔ تعلقہ بلگی ضلع باگلکوٹ میں سرکاری اردو مدرسہ بلگی میں اردو اساتذہ کے لیے ایک دن کا تربیتی پروگرام منعقد کیا گیا جس میں بلگی تعلقہ کے تمام اردو اساتذہ نے حصہ لیا اور روزمرہ کے دوران پیش آنے والے درس و تدریس کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ جلسے کی افتتاحی تقریب میں تعلقہ کے انچارج بی ای او جناب آر جی پاٹل بحیثیت صدر اور جناب اقبال احمد قاضی اور جناب میر محمد بطور مہمان خصوصی مدعو کیے گئے تھے۔ جلسے کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا، حمد و نعت خوانی کے بعد مہمانوں کی گلپوشی کی گئی۔ جناب اقبال احمد قاضی نے کہا کہ ڈی پی ای پی اردو مدارس کے اساتذہ کو اردو ہی میں ٹریننگ دے، اور جو بھی کارگاہ منعقد ہوتے ہیں وہ اردو ہی میں ہوں۔ افتتاحی جلسے کی صدارتی تقریر کرتے ہوئے تعلقہ کے انچارج بی ای او نے کہا کہ اردو اساتذہ کے لیے ایسے کارگاہ کی اشد ضرورت ہے، اس طرح کے تربیتی پروگرام کے ذریعے دوران تدریس آنے والے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ جناب میر محمد اقبال نے تفصیل سے چھ مرحلے والے اور چار مرحلے والے روزنامچے تحریر کرنے کے طریقے پر روشنی ڈالی۔ (سالار، بنگلور)

اردو اساتذہ کے لیے مختصر مدتی تدریسی تربیتی ورکشاپ

● ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، بھوپال کے زیر اہتمام 4/ اکتوبر 2002 سے 8/ اکتوبر 2002 تک ایک پانچ روزہ ورک شاپ کا انعقاد کیا گیا۔ اس ورک شاپ کا مقصد اپر پرائمری سطح کے اردو اساتذہ کے لیے تدریسی تربیتی پیکیج تیار کرنا تھا۔ ورک شاپ میں مغربی علاقے کے کئی ماہرین تعلیم اور اردو اساتذہ نے حصہ لیا۔ ان میں پروفیسر حیدر عباس رضوی (بھوپال)، ڈاکٹر غلام نبی مومن (پونہ)، ڈاکٹر محمد خالد (بلاسپور)، ڈاکٹر اقبال جاوید (کھام گاؤں)، حدیث انصاری (اندور)، عبدالرزاق (اورنگ آباد)، اور نسیم احمد (سیہور)، کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ورک شاپ کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر فاروق انصاری تھے۔

مذکورہ تدریسی تربیتی پیکیج کا رہنما خاکہ اس سلسلے کا پہلا ورک شاپ منعقدہ 6 اور 7/ جون 2002 میں تیار کیا جا چکا تھا۔ موجودہ ورک شاپ کے پہلے دن شرکا کے سامنے مذکورہ رہنما خاکے کے ساتھ ساتھ این سی ای آر ٹی، اور مغربی علاقے کی ریاستوں مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، مہاراشٹر، گجرات اور مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے نصاب کے مشمولات کو یکجا کر کے رکھا گیا۔ شرکا کے باہمی صلاح و مشورے سے ابتدائی مرحلے میں پرائمری سطح کے تربیتی پیکیج کے اہم نکات بطور اعادہ اخذ کرنے کا کام مکمل کیا گیا۔

پہلے دن کے کام کو تمام شرکا کے سامنے لفظ بہ لفظ پڑھ کر ضروری ترمیم و تبدیلی کے بعد آخری شکل دی گئی۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے دنوں میں گروپ بنا کر الگ الگ موضوعات پر کام کیا گیا۔ آخری دن پورے کام کی ترتیب اور جائزے کا کام انجام دیا گیا۔

تربیتی پیکیج کا پیکر تیار ہو چکا ہے۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ مختصر مدتی تدریسی تربیت کے لیے یہ پیکیج مفید ہوگا اور تربیت حاصل کرنے والے اردو

اساتذہ کی تدریس کے معیار کو بہتر اور موثر بنایا جا سکے گا۔ (ڈاک سے)

سہ ماہی "استعارہ" انٹرنیٹ پر

● نئی دہلی، 13/اکتوبر۔ ادبی صحافت میں صرف دو سال کے عرصے میں اپنا مقام بنا لینے والا سہ ماہی ادبی جریدہ "استعارہ" اب انٹرنیٹ پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ صلاح الدین پرویز کی ادارت میں شائع ہونے والے اس سہ ماہی جریدے کے چیدہ مضامین اور دیگر مشمولات و مندرجات انٹرنیٹ ویب سائٹ Isteara.com پر لاگ آن کر کے کمپیوٹر اسکرین پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ جریدہ کے مدیرِ مشترک حقانی القاسمی کے مطابق اردو کے ممتاز نقاد اور دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ نے استعارہ کی ویب سائٹ شروع ہونے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ اب بیرونی ممالک میں مقیم اردو کے ان ادیبوں، تخلیق کاروں اور ادب نواز قارئین کو بڑی سہولت ہو جائے گی جو "استعارہ" حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ (قومی آواز، دہلی)

انجمن ترقی اردو در بھنگا کی نشست

● انجمن ترقیِ اردو ضلع در بھنگا کی مجلسِ عاملہ اور مدعوئینِ خصوصی کی ایک اہم نشست 2/اکتوبر کو انجمن کے صدر ڈاکٹر نجیب اختر کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں اردو کے مسائل اور انجمن کی ممبر سازی مہم کا جائزہ لیا گیا۔ انجمن کے جنرل سکریٹری پروفیسر اویس احمد دوراں نے ممبر سازی کی مہم کو موثر طور پر چلانے کے لیے ٹیم بنا کر اردو والوں کے بیچ جانے کا مشورہ دیا۔ پروفیسر فضل الرحمن سہیل نے کہا کہ اردو ہماری تہذیبی روایت اور تشخص کی علامت ہے اس لیے اس کی بقا کے لیے سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر کمال الدین، جناب محمد رسول اختر اور جناب رضی عالم نے در بھنگا میں اردو کے مسائل کے حل اور ممبر سازی کی مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے کئی اہم مشورے دیے۔ ڈاکٹر مشتاق احمد مدیر "جہانِ اردو" نے کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر اردو کے مسائل کا جائزہ پیش کیا اور ممبر سازی کی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ڈاکٹر نجیب اختر نے اردو کے مسائل اور ان کے حل کے لیے منصوبہ بند طریقے سے کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انجمن کو مزید فعال بنانے کے لیے مشورے دیے اور ممبر سازی مہم کے ذریعے اردو والوں سے انجمن کے رشتے کو مضبوط بنانے کی بات کہی۔ آخر میں ڈاکٹر شاہد ظفر نے ممبر سازی کے سلسلے میں مشورے دیے اور تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

تلگو دیشم حکومت اردو کی ترویج کے لیے کوشاں

● حیدر آباد، 21/اکتوبر۔ صدر کمیٹی برائے اقلیتی بہبود ڈاکٹر ایس اے خلیل باشاہ نے ریاست میں اردو داں عوام میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی و وسعت کے سلسلے میں اردو اکادمی کے کمپیوٹر مراکز کی خدمات کی ستائش کی ہے۔ سید شاہ نور الحق قادری ایڈوکیٹ نے تقریب کی صدارت کی جو کل اننت پور میں منعقد ہوئی۔ ارکان بورڈ آف گورنرس مسٹر محمد اقبال اور مسٹر محمد یوسف الدین نے بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر خلیل باشاہ نے جو اقلیتی بہبود اور اردو اکادمی کے بھی وزیر رہ چکے ہیں، چیف منسٹر این چندرا بابو نائیڈو کی سرپرستی میں اردو اکادمی کی کارکردگی کی ستائش کی۔ انھوں نے کہا کہ حکومت، اقلیتوں اور اردو زبان کو بے حد اہمیت دیتی ہے اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ قانون سرکاری زبان میں ترمیم کے ذریعے اردو کو ریاست کے 13 اضلاع میں دوسری سرکاری زبان بنایا گیا۔ مسٹر نور الحق قادری نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ اردو اکادمی کے 18 کمپیوٹر مراکز سے اب تک 4 ہزار سے زیادہ اردو داں نوجوان ڈپلومان کمپیوٹر اپلی کیشن کورس میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ یہ تربیت بلا معاوضہ دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے 3 مراکز بھی اردو اکادمی کی زیرِ نگرانی کام کر رہے ہیں۔ مسٹر قادری نے کہا کہ ایک سال پہلے میٹرک تک کی تمام لسانی و غیر لسانی کتابوں کی ترتیب و تیاری کا کام این سی ای آر ٹی کے تیار کردہ نصاب کے مطابق اردو اکادمی کی نگرانی میں ہوا تھا۔ ان تمام درسی کتابوں کی طباعت اور تقسیم کا کام ڈائرکٹر ٹکسٹ بکس پریس کی ذمے داری ہے۔ اس میں تلگو اور اردو دونوں زبانوں کی درسی کتابیں شامل ہیں۔ مسٹر قادری نے کہا کہ چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے اردو اکادمی کی سالانہ گرانٹ کو بڑھا کر 2 کروڑ 96 لاکھ روپے کر دی ہے۔ جس سے ان کی اردو کی ترقی و ترویج سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ (منصف، حیدر آباد)

اردو میڈیم کے ساتھ امتیازی رویے پر تنقید

● کڈپہ۔ انجمن ترقی اردو کڈپہ نے اردو میڈیم کے ساتھ حکومت کے امتیازی رویے پر تنقید کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اردو میڈیم جماعتِ اوّل کے لیے صرف ایک کتاب اور تلگو میڈیم جماعتِ اوّل کے لیے سات کتب کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔ انجمن کے ضلعی قائدین جناب سید ہدایت

اللہ، شیخ عبدالستار فیضی، سید شکیل احمد اور عبدالقدیر پرویز نے اردو زبان کو نظرانداز کرنے پر تشویش کا اظہار کیا۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ تلگو میڈیم کو جو سہولتیں مہیا ہیں وہ اردو میڈیم کو بھی دی جائیں۔ (ہماری زبان)

تیسرا کل ہند
اردو ٹائپ نویسی مقابلہ و تقسیم انعامات

● 19/اکتوبر کو آل انڈیا اردو اسٹینو گرافرز ایسوسی ایشن کی جانب سے تیسرے کل ہند اردو ٹائپ نویسی مقابلے کی تقریبِ انعامات کا انعقاد غالب اکادمی، نئی دہلی میں کیا گیا۔ اس مقابلے میں اوّل، دوم و سوم آنے والے تین طلبہ اور تین طالبات کو شیلڈ اور توصیفی سند دی گئی۔ لڑکوں کے زمرے میں محمد وسیم اوّل، محمد عامر دوم، محمد انس فیضی سوم اور محمد اسلم نے اعزازی مقام حاصل کیا۔ جناب ظفر سیف اللہ، سابق کیبنٹ سکریٹری، حکومتِ ہند نے شیلڈ اور اسناد تقسیم کیں۔

اس موقعے پر مہمانِ خصوصی جناب ہارون یوسف، وزیر، دہلی سرکار نے کہا کہ دہلی حکومت میں جلد ہی اردو کا ایک شعبہ قائم کیا جائے گا اور ہر محکمے میں ایک مترجم، ایک مختصر نویس اور ایک ٹائپ نویس کی تقرری عمل میں آئے گی۔ جناب ظفر سیف اللہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو اسٹینو گرافرز کو اردو کمپیوٹر سافٹ ویئر کی جانکاری بھی ہونی چاہیے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ کمپیوٹر کے آنے سے ٹائپ رائٹنگ کی اہمیت کم ہو گئی ہے لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ ٹائپ رائٹنگ کمپیوٹر آپریٹ کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ جناب سعید خاں، نائب صدر، دہلی پردیش یوتھ کانگریس نے ایسوسی ایشن کے اقدام کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے ایسے خدمت گزاروں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری سید راشد حسین نے ایسوسی ایشن کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ دہلی اسمبلی میں اردو کا باقاعدہ شعبہ قائم کیا جائے جو اردو شارٹ ہینڈ، رپورٹرز، اردو مترجمین اور کلرکوں پر مشتمل ہو اور دہلی میں اسٹینو گرافرز کی خالی آسامیاں جلد پُر کی جائیں۔ ایسا ہونے کے بعد اردو داں افسر و سرکاری دفاتر میں اپنی مادری زبان میں خط و کتابت کر سکیں گے۔

اس موقعے پر غالب اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر عقیل احمد نے کہا کہ اردو اسٹینو گرافرز کو ہندی اور انگریزی اسٹینو گرافی میں بھی مہارت حاصل کرنی چاہیے اس سے ملازمت میں بہت آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ (ڈاک سے)

ہاسن میں الامین اسکول کامپلیکس کی نئی
عمارت کا سنگ بنیاد

● 28/ستمبر کا دن ہاسن الامین ایجوکیشنل سوسائٹی کے لیے ایک یادگار دن تھا، اس دن الامین اسکول کامپلیکس کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد بانیِ تحریک ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کے دستِ مبارک سے رکھا گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہماری قوم میں تعلیم سے دلچسپی کی ایک لہر سی دوڑ رہی ہے۔ خواتین کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بہترین اور اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کریں۔ کیوں کہ یہ دور میرٹ اور کمپٹیشن کا دور ہے جس طالب علم میں مسابقت کا جذبہ نہیں ہوتا وہ پیچھے رہ جاتا ہے۔

موصوف نے الامین کے مقامی اراکین کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ نے غیر مسلم برادران وطن کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا ہے، یہ بات صحیح ہے کہ الامین تحریک ملتِ اسلامیہ میں تعلیمی بیداری لانے کی خاطر شروع کی گئی ہے۔ لیکن اس تحریک کا دائرہ پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے وسیع تر ہونا چاہیے۔ جلسے کو خطاب کرتے ہوئے ضلع ہاسن کے ڈپٹی کمشنر جناب ایل کے عتیق نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر ایک شخص کا پیدائشی حق ہے چاہے وہ کسی بھی قوم کا فرد کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں میں تعلیم کا گراف تشویشناک حد تک گرا ہوا ہے، جہاں حکومت اپنے طور پر مسلمانوں کے لیے تعلیمی سہولیات فراہم کر رہی ہے وہیں الامین جیسے نجی ادارے آگے بڑھ کر آ رہے ہیں، یہ بات مسرت آگیں ہے۔ شری نارائن سوامی چیئرمین ضلع پنچایت نے بھی خطاب کیا۔ شری بی کے منجوناتھ چیئرمین سی آئی ٹی بی ہاسن نے علاقے کے مسلمانوں اور اراکین الامین کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے سی آئی ٹی بی کی جانب سے عمارت کے احاطے میں لائبریری کی جانب سے عمارت کے احاطے میں لائبریری کے لیے ایک کمرے کی تعمیر کا اعلان فرمایا۔ شہر ہاسن کے مشہور وکیل شری جو پونارائن سوامی نے جو کنڑی زبان کے ایک مشہور شاعر بھی ہیں، اپنے کنڑی اشعار میں الامین کی مدح سرائی کی۔ (سالار، بنگلور)

باغپت ضلع کے ڈاکخانوں میں
اردو ختم ہونے پر تشویش

● باغپت، 26/اکتوبر۔ باغپت ضلع ہیڈ کوارٹر اور بڑوت شہر کے مرکزی ڈاکخانے سمیت پورے ضلعے کے ڈاکخانوں میں اردو جاننے والا نہیں

مالوہ ایجوکیشن اینڈ کلچرل سوسائٹی کا جلسہ تقسیم اسناد

● 14راکتوبر کو مالوہ ایجوکیشن اینڈ کلچرل سوسائٹی نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ذریعے چلائے جارہے خط وکتابت کورس کے کامیاب طلبہ کو سرٹیفکیٹ تقسیم کیے۔ یہ سرٹیفکیٹ مدھیہ پردیش کے وزیرِ تعلیم جناب اندرجیت پٹیل نے اپنے دستِ مبارک سے دیے۔ وزیرِ موصوف نے تعلیم نسواں کی اہمیت پر زور دیا اور ریاست میں اردو کے ایسے اور کورس شروع کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ذریعے شروع کیے گئے پروگراموں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جناب رام نرائن تیواری نے بھی اس تعلیمی پروگرام کی ستائش کی۔ پروگرام کی نظامت مدھیہ پردیش پبلک سروس کمیشن کی سابق ممبر محترمہ ریحانہ نظام نے کی اور مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے سابق صدر نے شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

افسانہ کلب (مالیر کوٹلہ) کے ایوارڈ

● گزشتہ دنوں پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ میں جو اردو زبان کا ادبی اور ثقافتی گہوارہ ہے، افسانہ کلب (رجسٹرڈ) مالیر کوٹلہ کی جانب سے سالانہ ایوارڈ جلسہ 2002 منعقد کیا گیا۔ مہمانِ خصوصی کے طور پر جناب جوگندر پال نے شرکت کی۔ صدارت کے فرائض سہراب گروپ آف کمپنیز کے ایم ڈی جناب امجد علی نے انجام دیے۔ تقریب تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوئی۔ کلب کے سکریٹری ڈاکٹر انوار انصاری نے سالانہ رپورٹ پیش کی۔ اس کے بعد افسانہ کلب کے جواں سال ممبران نے اپنے منتخب افسانے پڑھ کر سنائے۔ پہلا افسانہ جناب ارشد نعیم نے بعنوان "پاکباز" پڑھا۔ دوسرا افسانہ عبدالستار مسافر کا "پچھتاوا" تیسرا افسانہ کلب کے خازن جناب سالک جمیل نے "جیون داتا" پڑھا۔ پروفیسر محمود عالم نے مہمانوں کا خاص طور پر ایوارڈ حاصل کرنے والے قلم کاروں کا تعارف کروایا اور ایوارڈز کی تقسیم کا سلسلہ شروع کیا۔

پہلا ایوارڈ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی (مرحوم) کے نام پر دیا گیا۔ یہ ایوارڈ ان کے بیٹے جناب احمد مصطفےٰ خاں کو دیا گیا۔ اردو صحافت کا ایوارڈ پنجاب کے معروف صحافی اور آزادی کے جانباز سپاہی جنھیں انگریزوں نے پندرہ سال کی عمر میں جیل میں ڈال دیا تھا، جناب ستیہ پال ناگی کو دیا گیا۔

ہے جس سے ضلعے بھر میں بڑی تعداد میں آنے جانے والی اردو چٹھیوں کی ڈاک ضائع ہونے کی خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ انجمنِ اردو باغپت نے اس پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ محکمے کے اعلا حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ضلعے کے مرکزی ڈاکخانہ بڑوت اور باغپت شہر کے ڈاکخانے میں اردو جاننے والا اسٹاف تعینات کریں۔ ذرائع کے مطابق شہر کے ڈاکخانے میں کمپیوٹر سے منی آرڈر بھیجنے کا انتظام تو ہے لیکن منی آرڈر کے کوپن پر بھیجنے والے کی طرف سے پانے والوں کو جو پیغام اردو میں لکھا ہوتا ہے وہ نہیں بھیجا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ پہلی بار باغپت ضلعے کے تمام ڈاکخانوں سے اردو داں اسٹاف کا صفایا کر دیا گیا ہے۔ متعلقہ محکمے کے ذمے داروں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود کوئی کارروائی نہ ہونے سے اردو داں طبقے میں غم وغصہ ہے۔

(قومی آواز، دہلی)

اترانچل میں پی سی ایس امتحان میں اردو سوال نامہ ختم کرنے پر برہمی

● منگلور، 6رنومبر۔ اترانچل حکومت کی جانب سے پی سی ایس (جے) کے امتحانات میں اردو زبان سوال نامہ ختم کر دینے سے جہاں ایک جانب اردو حلقوں میں برہمی ہے وہیں متعدد سماجی تنظیموں نے حکومت کے خلاف تحریکیں چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اردو برادری نے حکومت کے اس موقف پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ قاری محمد مکرم اور مولانا مظفر عارفی نے کہا کہ حکومت نے پی سی ایس (جے) کے امتحانات میں اردو زبان کو ختم کر کے اردو مخالف ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ادھر نیشنل یوتھ جمہوجہ ایسوسی ایشن، امیر حمزہ یوتھ ایکتا کمیٹی، آل انڈیا مسلم مجلس اترکھنڈ کے لیڈران نے حکومت کے خلاف اس وقت تک تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے جب تک ریاست میں اردو کو اس کا مقام نہیں مل جاتا۔ ایسوسی ایشن کے صدر عبدالسمیع ایڈووکیٹ نے کہا کہ جنگِ آزادی میں اہم کردار ادا کرنے والی اردو زبان کے ساتھ ریاستی حکومت نے جس طرح کا سلوک کیا ہے وہ قابلِ مذمت ہے۔ امیر حمزہ یوتھ ایکتا کمیٹی کے صدر محمد شمشاد، جنرل سکریٹری پرویز عالم انصاری نے پریس کو جاری بیان میں کہا کہ اردو زبان کسی ایک فرقے یا قوم کی زبان نہیں، پورے ملک کی زبان ہے۔ اگر حکومت نے امتیازی سلوک کرنا بند نہ کیا تو ہمیں مجبوراً سڑکوں پر آنا ہوگا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

سعادت حسن منٹو کے نام پر قائم کیا گیا منٹو ایوارڈ مشہور و معروف افسانہ نگار جناب شرون کمار ورما کو پیش کیا گیا۔ ایوارڈ کی تقسیم کے بعد مہمان خصوصی جناب جوگندر پال نے حاضرین کو خطاب کیا۔ پال صاحب کی تقریر کے بعد کلب کے ممبر جناب سیف الدین راجہ نے ایک افسانہ پڑھ کر سنایا جس کا عنوان تھا "بلوائی"۔ بعد میں جناب ستیہ پال باغی نے کلب کا اور مالیر کوٹلہ کے ادب نواز حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اردو کسی ایک فرقے کی زبان ہرگز نہیں، اسے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی پڑھنا چاہیے۔ نوجوان اس کام کو اپنا فرض سمجھ کر اسے سرانجام دیں۔ شرون کمار ورما نے کہا کہ جواں سال افسانہ نگاروں کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پنجاب میں اردو افسانہ زندہ رہے گا بشرطیکہ قارئین کی تعداد بھی بڑھائی جائے۔ آخر میں افسانہ کلب کے صدر بشیر مالیر کوٹلوی نے مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ستیہ پال باغی صاحب سے گزارش کی کہ وہ کالم نویس ہیں، اپنے قلم سے وہ پنجاب سرکار کو مجبور کریں کہ پنجاب میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح اردو اکادمی قائم ہو۔

(ڈاک سے)

غالب انعامات

● نئی دہلی، مورخہ 7/نومبر 2002۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ہر سال معتبر ادیبوں، دانشوروں، شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کو غالب انعامات دیتا ہے۔ اس سال غالب انسٹی ٹیوٹ کی ایوارڈ سب کمیٹی کی میٹنگ مورخہ 5/نومبر 2002 کو جناب سید مظفر حسین برنی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ کافی غور و خوض کے بعد ممبران نے مندرجہ ذیل دانشوروں کو غالب انعامات برائے سال 2002 کے لیے منتخب کیا:

-1 فخرالدین علی احمد غالب انعام "برائے تنقید و تحقیق" پروفیسر حنیف نقوی (بنارس) ڈاکٹر ریحانہ خاتون (علی گڑھ) 2- غالب انعام "برائے اردو نثر" پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی (دہلی) 3- غالب انعام "برائے اردو شاعری" جناب ندا فاضلی (ممبئی) 4- ہم سب غالب انعام "برائے اردو ڈرامہ" جناب انیس اعظمی (دہلی) 5- غالب انعام "برائے مجموعی ادبی خدمات" جناب امیر چند بہار (فرید آباد)۔

یہ انعامات مبلغ 25 ہزار روپے نقد، ایک تمغہ اور سند پر مشتمل ہیں۔ یہ تمام انعامات بین الاقوامی غالب سمینار کے افتتاحی اجلاس میں 20/دسمبر 2002 کو تقسیم کیے جائیں گے۔ (ڈاک سے)

اردو کے ہونہار طلبہ کو انعامات

● بھوپال، 28/ستمبر۔ "مقامی اسکولوں، مدارس اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات میں اردو پڑھنے کا شوق جوش و خروش سے پروان چڑھ رہا ہے۔ اس کام میں مصروف مرد و خواتین ٹیچروں نے اپنے طلبہ و طالبات کی ذہنی تربیت میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ حصہ لیا ہے اور اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آرہے ہیں۔ اردو مضمون کو لے کر طلبہ و طالبات گریجویشن کررہے ہیں۔ نئی نسل کے زیر تعلیم طلبہ و طالبات نہ صرف اردو پڑھ رہے ہیں بلکہ اردو کے شعر و ادب میں بھی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔"

ان خیالات کا اظہار "کل ہند اردو قبیلہ" کی صدر باب زیدی نے ٹی ایم کانوینٹ اسکول میں منعقدہ اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو تقسیم انعامات کے موقع پر کیا۔ تقسیم انعامات کے جلسے میں شہر بھوپال کے پچاس اسکول و مدارس اور کالجوں کے طلبہ و طالبات نے اپنے اساتذہ کے ساتھ شرکت کی۔

تقسیم انعامات بیگم صاحبہ محمد گڑھ اور بزرگ شاعر عشرت قادری کے ہاتھوں عمل میں آئے۔ اس موقعے پر مختلف درسگاہوں کے اساتذہ کا اعزاز کرکے ان کی خدمت میں توصیف نامے پیش کیے گئے۔ اسکول کے جن طلبہ و طالبات کو اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر انعامات دیے گئے ان میں محمد آصف پانچویں کلاس، سفینہ اسکول، محمد زیاد بون اسکول، حنا شیخ فیض پبلک اسکول (دونوں طلبہ آٹھویں کلاس کے ہیں) اسماء یونس، عرشی صدیقی دونوں ٹی ایم اسکول، منیرہ اقبال، نوین اسکول تینوں طالبات ہائی اسکول کی جنرل اردو کی ہیں۔ شازیہ سعید، راجیو میموریل اسکول کلاس دسویں ہائر اردو کی ہیں۔ ام کلثوم، ٹی ایم اسکول بارھویں کی جنرل اردو کی طالبہ میں فرحت رفیق، اسما سلطان، جہانگیر آباد گرلس ہائر سیکنڈری کی بارھویں کی ہائر اردو کی ہیں۔

(ندیم، بھوپال)

شعری محفلیں

● نوئیڈا، 9/اکتوبر۔ اردو فاؤنڈیشن کا ماہانہ جلسہ رفعت سروش کے مکان پر فاروق ارگلی کی صدارت میں منعقد ہوا اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے کینیڈا سے آئی ہوئی بزرگ ادیبہ اور سوشل ورکر محترمہ زہرا داؤدی نے شرکت کی۔ صاحب خانہ نے ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کی تازہ تصنیف "منزل گریزاں" (خودنوشت) کے لیے مبارکباد دی۔ محترمہ زہرا داؤدی نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس میں تو شک نہیں کہ کینیڈا اور امریکہ وغیرہ میں اردو سے دلچسپی بزرگ نسل تک ہی محدود ہے لیکن اردو سے دلچسپی وہاں محض تفریح طبع نہیں بلکہ اپنے تہذیبی تشخص کا مسئلہ بھی ہے۔ اگرچہ نئی نسل اردو سے بیگانہ ہے، مگر فی الحال وہاں سے بہت سے اخبار نکلتے ہیں اور

حکومت بھی ان اقلیتی اداروں کو مالی امداد دیتی ہے۔ گویا معاملات بہت مایوس کن نہیں ہیں۔

فاروق ارگلی کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے رفعت سروش نے ان کی تازہ تصنیف "لوح آب رواں" سے کچھ اشعار پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد طرحی مشاعرے کا دور شروع ہوا۔ شعرائے کرام نے دو زمینوں میں طبع آزمائی کی تھی۔ شرکا میں شبانہ نذیر، راج کماری راز، رند ساغری، دلبر نورانی، کلدیپ گوہر اور رفعت سروش کے علاوہ فاروق ارگلی، اشوک کذپ، پی کے جین اور اظہر اقبال نے غیر طرحی کلام سنایا۔ آخر میں بزرگ شاعر مظہر امام نے اپنے کلام سے نوازا۔ (قومی آواز، دہلی)

●حیدرآباد، 31/اکتوبر۔ "اردو زبان کا قدیم ترین مواد و دیوان گولکنڈہ سے ملا ہے اور جو بھی فہرست مرتب ہوئی، اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔" ان خیالات کا اظہار جناب علی ظہیر نے کیا جو "بزم نور" گولکنڈہ کے ماہانہ مشاعرے کی صدارت کر رہے تھے۔ "بزم نور" گولکنڈہ کا مشاعرہ جس کا انعقاد گذشتہ ہفتہ کی شب الصفہ اسکول رسالہ بازار قلعہ گولکنڈہ میں عمل میں آیا تھا، میں پروفیسر بیگ احساس صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ، جناب مظہر الزماں خاں، حشمت علی خاں مالک (امریکہ) نے بحیثیت مہمانانِ خصوصی شرکت کی۔ پروفیسر بیگ احساس نے کہا کہ گولکنڈہ وہ سرزمین ہے جہاں سے اردو شاعری کا آغاز ہوا ہے۔ نہ صرف پہلے صاحبِ دیوان شاعر کا تعلق گولکنڈہ سے تھا بلکہ نثر کی پہلی کتاب "سب رس" بھی اسی سرزمین گولکنڈہ سے وجود میں آئی تھی۔ انھوں نے "بزم نور" کے منتظمین کو تاریخ گولکنڈہ کی شمع جلائے رکھنے پر مبارکباد پیش کی۔ نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پروفیسر بیگ احساس نے کہا کہ وہ آگے آئیں اور اپنی صلاحیتوں کو منوائیں کیوں کہ آج اچھی شاعری کی ضرورت ہے۔ مشاعرے کے آغاز سے قبل اردو اکادمی (آندھرا پردیش) کی ایوارڈ یافتہ شخصیتوں مظہر الزماں خاں، انور سلیم، شاہد عدیل، اور سردار سلیم کو تہنیت پیش کی گئی بعد ازاں فاروق شکیل، عبدالرزاق حسینی اور عقیل احمد عقیل نے نعت شریف سنائی۔ صدر مشاعرہ علی ظہیر کے علاوہ انور سلیم، فاروق شکیل، سید غلام محمود، مظہر رضمی، شاہد عدیلی، سردار سلیم، اسد ثنائی، زعیم زومرہ، اطیب اعجاز، اور لطیف الدین لطیف نے اپنا کلام سنایا۔ اطیب اعجاز نے شکریہ ادا کیا۔

(منصف، حیدرآباد)

●شہر آرہ کے فعال ادبی ادارے "ادارہ تزئین ادب" کے زیرِ اہتمام 27/اکتوبر بروز اتوار امتیاز احمد دانش کی رہائش گاہ کے احاطے واقع ملکی محلہ، آرہ میں شاندار مشاعرہ و کوی سمیلن کا انعقاد عمل میں آیا جس کی صدارت ممتاز ہندی شاعر ایچ ڈی جین کالج، آرہ کے پرنسپل جناب جٹا شنکر ٹھاکر نے کی اور نظامت کے فرائض امتیاز احمد دانش نے انجام دیے۔ بزرگ شاعر و محقق جناب ش. م. عارف ماہر آروی نے بارہ ماسہ و محترمہ ارملا کول نے ہائیکو سامعین کی نذر کیے۔ مزاحیہ شاعر م. آصف آروی، بھوجپوری کے شاعر ہیرا ٹھاکر ورسک، کے علاوہ جن شعرا کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ڈاکٹر جٹا شنکر ٹھاکر، احمر آروی، کرشن دیال سنگھ، سنتوش کمار مشرا، شمیم یوسفی، انور اقبال، رام ناتھ دیو، پون کمار، غلام رسول کیفی، قربان آتش، اے کمار آنسو، بھولا جی، سرفراز اشہر، امتیاز احمد دانش، شیام کشور تیواری، عطاءالرحمٰن عطا و سہیل احمد وغیرہ۔

ناظم مشاعرہ و معتمدِ ادارہ امتیاز احمد دانش کے اظہار تشکر کے ساتھ مشاعرہ اختتام کو پہنچا۔ (ڈاک سے)

●ستنا کے معروف کلاسیکی شاعر لالتا پرساد شاد میرٹھی کی کتاب "ایاغِ شاد" جس کو مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے شائع کیا ہے کا اجرا جناب عزیز قریشی صاحب نے فرمایا۔ اس موقعے پر ستنا کے مقبول اور ہر دل عزیز شاعر مقبول احمد مقبول ستوی کا بھی شاندار استقبال کیا گیا۔ اس کے بعد نیرج جین اور ریاض سلطانپوری نے شاد میرٹھی کا تعارف کرایا۔ پروگرام کے ابتدائی حصے کی نظامت کے فرائض مقصود احمد ایڈووکیٹ نے خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیے۔

بعد ازاں مشاعرے کا آغاز مہمانِ خصوصی عزت مآب سعید احمد وزیرِ مملکت برائے مالیات حکومتِ مدھیہ پردیش نے شمع روشن کر کے کیا۔ انھوں نے کہا کہ مشاعرے ہماری گنگا جمنی تہذیب کی شناخت ہیں اور اردو زبان بہت خوبصورت زبان ہے جو بھائی چارے اور ہندو مسلم ایکتا کی مظہر ہے۔ انھوں نے جناب عزیز قریشی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ستنا میں کل ہند مشاعرہ لالتا پرساد شاد میرٹھی کی یاد میں منعقد کر کے انھوں نے قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ ابتدا میں اردو اکادمی کے صدر عزیز قریشی صاحب نے مہمانِ خصوصی سعید احمد صاحب وزیرِ مملکت اور ڈاکٹر کھرے سابق رکن پارلیمنٹ کی گل پوشی کی۔

مشاعرے کی نظامت بین الاقوامی شہرت کے حامل شاعر اور ناظم ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے بحسن و خوبی کی۔ اس مشاعرے میں جن شعرا نے اپنا کلام سنایا، ان کے اسمائے گرامی ہیں: ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر ساغر اعظمی (لکھنؤ)، عشرت قادری (بھوپال)، ساغر خیامی (دہلی)، انور ندیم (لکھنؤ)، اختر گوالیاری (اجین)، حسن فتحپوری (بھوپال)، عتیق الہ آبادی (الہ آباد) جوہر کانپوری (کانپور)، محترمہ پورنیا پونم (جبلپور)، محترمہ انا دہلوی،

محترمہ شبینہ ادیبی (کانپور)، یونس فرحت، مسعود رضا، انجم بارہ بنکوی (بھوپال) اور طارق نظامی (جبلپور) کے علاوہ مقامی شعرا میں مقبول احمد مقبول، ارون مشرا، اوما شنکر راز کانپوری، مسعود احمد پرنم سلطانپوری اور اسلم ستنادوی نے اپنا کلام سنایا۔

اس موقعے پر اردو اکادمی نے اپنی کتابوں کا اسٹال بھی لگایا تھا جہاں 50 فی صد ڈسکاؤنٹ پر کتابوں کو فروخت کیا گیا۔ اردو دوستوں نے اس طریقہ کار کو بہت پسند کیا۔ (ڈاک سے)

● مراد آباد، 6/نومبر۔ گزشتہ روز یہاں لال مسجد روڈ پر واقع حسن ہاؤس میں ایک شعری محفل منعقد ہوئی جس کی صدارت بزرگ شاعر حیرت مراد آبادی اور نظامت کشور عثمانی نے کی۔ نشست کا آغاز تحسین نازش کی نعت پاک سے ہوا۔ صدر محفل نے عہد حاضر میں غزل گوئی کے میدان میں نئی نسل کے رجحانات پر ایک پراثر تقریر کی۔ پروفیسر نیاز رفعت نے بھی نئی غزل کے رجحان پر روشنی ڈالی اور جدید لب و لہجے کے نمائندہ شعرا کا کلام پیش کیا۔ مشاعرے میں ڈاکٹر توصیف الحسن، شاہد نعیمی، کشور عثمانی، شرف الدین نازش، زاہد مراد آبادی، نسیم اختر، ناظم سیفی، دلنواز مراد آبادی اور حیرت مراد آبادی نے اپنا منتخب کلام پیش کیا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

● سیتاپور، 12/اکتوبر۔ ضلعے کی مشہور ادبی تنظیم "بزم اردو سیتاپور" کے زیر اہتمام ایک ادبی محفل کا انعقاد اردو ہال میں کیا گیا۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی جناب انجم انصاری (ممبئی) کے دو شعری مجموعوں "انجمستان" اور "غزلستان" پر جناب مست حفیظ رحمانی، جنرل سکریٹری بزم اردو نے سیر حاصل تبصرہ کیا۔ بعد ازاں ایک کامیاب مشاعرہ ہوا جس کی صدارت حاجی رفیق احمد انصاری نے فرمائی۔ ناظم مشاعرہ جناب رضوان خاں نے نظامت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ اس مشاعرے میں جن شعرا کرام کو خاص طور پر داد و تحسین سے نوازا گیا، ان میں، انجم انصاری، مست حفیظ رحمانی، سلیم اختر، صبا بارہ بنکوی، رضوان خاں، منظر یٰسین، شکیل ملانوی، عمران سیتاپوری، شعلہ مچھرہٹوی، عارف اٹاروی کے نام قابل ذکر ہیں۔ شہر کے باذوق حضرات کی موجودگی میں ہوئے۔ اس کامیاب پروگرام میں تعاون کرنے والوں میں، صادق علی انصاری، ابوالمجاہد، آفاق حسین و ضمیر الحسن کے نام شامل ہیں۔ (ڈاک سے)

● نئی دہلی، 24/اکتوبر۔ نیشنل اردو فورم کے زیر اہتمام ذاکر نگر میں نئی نسل کے نمائندہ شاعر اور کریم سٹی کالج جمشید پور شعبۂ اردو کے لکچرر راشد انور راشد کے اعزاز میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا گیا، جس کی صدارت ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے کی جب کہ فصیح اکمل قادری مہمان خصوصی کی حیثیت سے موجود تھے۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے اس موقعے پر کہا کہ نئی نسل سے شاعری کے امکانات روشن ہیں۔ پرانی نسل کو نئی نسل کی آبیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ ابرار کرت پوری، شہباز ندیم ضیائی، ڈاکٹر کوثر مظہری، ڈاکٹر مولی بخش، راشد انور راشد، فصیح اکمل، شعیب مرزا اور عادل حیات نے اپنے کلام سے نوازا۔ اس موقعے پر رسالہ آج کل کے کار گزار مدیر ابرار رحمانی، محمد علیم، سلیم الدین، انوار اور افضل مصباحی وغیرہ بطور خاص مدعو تھے۔

مختصرات

● منڈل پریشد ایلیمنٹری اردو اسکول "منڈلا پلی" چتور (منڈل) ضلع کڈپہ میں بتاریخ 2/اکتوبر 2002 بوقت صبح دس بجے "یوم گاندھی و لال بہادر شاستری" تقریب منائی گئی۔ جلسے کا آغاز تلاوت قرآن پاک اور نعت سے ہوا۔ جناب سید شکیل احمد شکیل نے جلسے کی صدارت کی اور کہا کہ ملک کو ان بڑے لوگوں کے نظریات اور ان کی تحریکات کی آج بھی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کے آفاقی پیغامات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لال بہادر شاستری بھی اکتوبر میں پیدا ہو کر ملک کے لیے شہید ہوئے۔ خصوصی مہمان جناب فخر الدین نے بھی حاضرین سے خطاب کیا۔

(ڈاک سے)

● غازی آباد، 27/اکتوبر۔ آل انڈیا تعلیمی گھر، لکھنؤ کے رجسٹرار اور ریاستی انجمن ترقی اردو کے صدر سدرت اللہ انصاری نے کہا کہ اردو کو نظر انداز کرنا محض اردو زبان کی ہار نہیں بلکہ حکومت کی ہار ہے۔ آج یہاں شمبھودیال ڈگری کالج میں آل انڈیا تعلیمی گھر، لکھنؤ کے زیر اہتمام اردو ٹیچر سرٹیفکیٹ کے غازی آباد سینٹر کے ذریعے "اردو اور روزگار" کے موضوع پر منعقدہ سمینار میں انھوں نے یہ بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہندستان کی تہذیب ہے اور یہ محبت کا پیغام دیتی ہے۔ اردو کو روزگار سے جوڑنا ضروری ہے تاکہ اس زبان کو نظر انداز نہ کیا جاسکے۔

پروگرام کا افتتاح وزارت صحت، حکومت ہند کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد ساجد انصاری نے کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر انصاری کے علاوہ ڈاکٹر ریاض غازی، ڈاکٹر مظہر کریم رحمانی، سید جمال ہاشمی، مفتی محمد جمیل بیگ، شکیل شفائی، ڈاکٹر خلیق المظفر بخاری وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

● مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کے زیر اہتمام 27/ستمبر کی شام

دفتر اکادمی میں ادبی چوپال کا انعقاد کیا گیا۔ اس ادبی نشست کی صدارت جناب مقدر حمید نے کی اور جناب شموئل احمد مہمانِ خصوصی تھے۔ سب سے پہلے سابق ممبر اکادمی جناب اکبر رحمانی وریاستی وزیر جناب عبدالعظیم، مراٹھی شاعر دسنت باپٹ، ناول نگار و سنت ساونت، افسانہ نگار و اداکارہ پریہ تنڈولکر، اور مراٹھی اردو مترجم شری پاد جوشی کی رحلت پر تعزیتی قرارداد پیش کی گئی۔ حاضرین نے دو منٹ کھڑے ہو کر ان سب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

نشست کا آغاز جناب شمیم عباس اور جناب فاروق آشنا کی غزلوں سے ہوا۔ اس کے بعد جناب سلام بن رزاق نے اپنا افسانہ "استفراغ" اور جناب شموئل احمد نے "آنگن کا پیڑ" پیش کیا۔ نشست میں پڑھی گئی ان شعری اور نثری تخلیقات پر یعقوب راہی، شموئل احمد، سلام بن رزاق، انور قمر، عبدالاحد ساز، مظہر سلیم، اسلم خاں، عبید اعظم اعظمی، شکیل رشید، وغیرہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سوالات اٹھائے۔ جناب مقدر حمید نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ ادبی چوپال کی اس نشست میں سب نے کھل کر اپنی بات کہی جس سے تخلیقات کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا ہے، یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اکادمی کے ایکزیکیٹیو آفیسر وقار قادری نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور مہمانان و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

رسم اجرا

روحِ ترنم

● جناب خواجہ پاشاہ انعامدار شریکِ معتمد کی اطلاع کے مطابق انجمن ترقی اردو ہند، شاخ گلبرگہ کے زیرِ اہتمام 6 اکتوبر 2002 کو خواجہ بندہ نواز ایوانِ اردو، گلبرگہ میں جناب صبیح حیدر صبیح کے اولین شعری مجموعے "روحِ ترنم" کا اجرا بدست جناب ودیادھر گروجی ہندی پرچار سبھا، گلبرگہ ہوا۔ جلسے کی صدارت جناب وہاب عندلیب نے کی۔ جناب سید مجیب الرحمٰن جناب رشید جاوید، ڈاکٹر عبدالحمید اکبر، ڈاکٹر فہیم پیرزادہ، ڈاکٹر جلیل تنویر، جناب امجد جاوید اور جناب عبدالحکیم ساز نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ صدرِ جلسہ جناب وہاب عندلیب نے مقررین کے اظہار خیال پر تبصرہ فرمایا اور مجموعہ کلام کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ودیادھر گروجی (صدر ہندی پرچار سبھا) کی پیش کش اردو سے ہندی میں مجموعہ کلام کی اشاعت کا خیر مقدم کیا۔ (ڈاک سے)

بابر شخص، شخصیت اور شاعری

● نئی دہلی، 11 نومبر۔ بابر کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس کی کتاب "ظہیر الدین محمد بابر شخص، شخصیت اور شاعری" کی رسم اجرا انڈین کلچرل سینٹر تاشقند میں ادا ہوئی۔ کتاب کا اجرا ازبکستان کے وزیر برائے اسپورٹس اور ازبیک انڈین دوستی سوسائٹی کے صدر بہادر مقصید وف نے کیا۔ اس موقعے پر انھوں نے ہند ازبیک تعلقات کو مضبوط بنانے میں ڈاکٹر قمر رئیس کی خدمات کا ذکر کیا اور کہا کہ بابر دونوں ملکوں کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اردو کے اسکالر اور سابق نائب وزیرِ خارجہ ڈاکٹر فتح تیشا بائف نے کتاب کے مختلف پہلوؤں اور کتاب میں شامل بابر کی شاعری کے ترجموں پر اظہار خیال کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر قمر رئیس نے کہا کہ بابر کی زندگی اور شاعری دونوں میں ان کی انسانی دردمندی، رواداری، وسیع النظری اور انسان دوستی کے واضح نقوش ملتے ہیں۔ آخر میں کلچرل سینٹر کے ڈائرکٹر جے ڈبلیو لوبو نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

وفیات

جون ایلیا

● کراچی، 9 نومبر۔ دنیائے اردو میں یہ خبر انتہائی حزن و ملال کے ساتھ سنی گئی کہ عالمی شہرت یافتہ شاعر جون ایلیا کا جمعہ کی شب میں گیارہ بجے کراچی میں انتقال ہو گیا (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ ان کو انچولی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مرحوم جون ایلیا دمہ اور پرانی کھانسی کے مریض تھے، ان کی عمر 72 سال تھی۔ وہ عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ ایک طویل عرصے تک مشہور "عالمی ڈائجسٹ" کے مدیر رہے، ان کا مجموعہ کلام "شاید" کافی دنوں تک ادبی حلقوں میں گفتگو کا موضوع رہا۔ وہ صدارتی ایوارڈ بھی حاصل کر چکے تھے۔ ان کے دونوں بڑے بھائی رئیس امروہوی اور مایۂ ناز دانشور سید محمد تقی بھی عہد ساز شخصیات تھے۔ مرحوم جون ایلیا 1958 میں امروہہ سے ہجرت کر کے کراچی چلے گئے تھے لیکن ان کی روح ہمیشہ ہندستان کی فضاؤں سے ہمکنار رہتی تھی۔ وہ جب جب ہندستان آتے تو سب سے پہلے سرزمینِ ہند کو سجدہ کرتے اور ان کی آنکھیں جدائی کے کرب سے نمناک ہوتیں۔ انھیں اپنے وطن امروہہ سے عشق تھا۔ جب وہ پہلی بار ہندستان آئے تو انھوں نے یہ شعر پڑھا تھا:

مہماں سمجھ کے کیجیے ہم کو نہ یوں اداس
ہندوستاں میں آئے ہیں ہندوستاں کے تھے

ان کی دو بیٹیاں اور ایک لڑکا کراچی ہی میں مقیم ہیں۔

سریندر پرکاش

● نئی دہلی۔ ساہتیہ اکادمی ایوارڈ یافتہ اردو کے معروف افسانہ نگار سریندر پرکاش کی آخری رسومات 10/نومبر کو ممبئی میں ادا کردی گئیں۔ 8/نومبر کو شام چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا تھا، وہ 72 برس کے تھے۔ پسماندگان میں بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ سریندر پرکاش 1930 میں لائل پور (پاکستان) میں پیدا ہوئے تھے اور تقسیم ہند کے فوراً بعد دہلی چلے آئے تھے۔ پنجاب یونی ورسٹی (لاہور) سے تعلیم حاصل کرنے والے سریندر پرکاش نے رکشا چلاکر، پھول بیچ کر اور ڈھابے میں کام کرکے اپنی زندگی کو تجربوں کی آگ میں جلاکر کندن بنایا تھا۔ 1950 کی دہائی میں اردو میں نئے افسانے کی ابتدا کرنے والوں میں وہ نمایاں مقام رکھتے تھے اور 1960 سے اب تک نئے افسانے کے ارتقا میں انھوں نے اہم رول ادا کیا۔ 1968 میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم" شائع ہوا تھا۔ 1980 میں "برف پر مکالمہ" 1988 میں "بازگوئی" اور 2002 میں "حاضر حال جاری" شائع ہوئے۔ ان کی اوّلیں کہانی ہفتہ وار "پارس" میں اس وقت شائع ہوئی تھی جب وہ گیارہ برس کے تھے۔

جعفر عباس

● نئی دہلی، 16 نومبر۔ اردو کے معروف مزاح نگار ادیب و صحافی جعفر عباس کا طویل علالت کے بعد آج آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز نئی دہلی میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی عمر تقریباً 59 سال تھی، پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹیاں ہیں۔

جعفر عباس اردو کے معروف نقاد پروفیسر سید احتشام حسین کے صاحب زادے تھے۔ وہ اپنی شگفتہ مزاجی، زندہ دلی اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے سماج کے ہر حلقے میں مقبول تھے۔ ادبی حلقوں میں ان کی ایک معتبر شناخت تھی۔ انھوں نے کئی کتابوں کے انگریزی اور ہندی سے اردو ترجمے کیے۔ دہلی سے اردو کا ایک شام نامہ "آئینۂ دہلی" نکالا۔ وہ قرآن کریم کی تفہیم کے موضوع پر لکھے گئے مضامین پر مشتمل ایک کتاب کے مرتب بھی تھے۔ وہ آخری دنوں تک ہفت روزہ نئی دنیا اور روزنامہ عوام سے منسلک تھے اور بستر علالت سے بھی اپنی شگفتہ تحریروں کا جادو بکھیرتے رہے۔ روزنامہ عوام میں ان کا مخصوص طنزیہ کالم "جام بکف" اور نئی دنیا میں "آئینہ" بے حد مقبول تھے۔ نئی دنیا کے لیے وہ برسوں تک روزانہ کالم نگاری کرتے رہے اور اس وقت وہ اردو کے معدودے چند مزاحیہ کالم نگاروں میں ایک تھے۔

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

M/o Human Resource Development, Deptt. of Secondary & Higher Education, Govt. of India

تیسرا کل ہند اردو کتاب میلہ

(तीसरा कुल हिन्द उर्दू किताब मेला)

مقام: صابو صدیق پالیٹکنک بائی کلا، ممبئی

تاریخ: 4 تا 12 جنوری 2003

اشتراک: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، انجمن اسلام (ممبئی)، مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکادمی

کتابیں ماضی کا اثاثہ، حال کا سرمایہ اور مستقبل کی اساس ہیں

ملک بھر کے مشہور و ممتاز اردو ناشرین کی شرکت متوقع ہے

فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ : 20. 12. 2002

فارم طلب کریں: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

فون: 6169416, 6109746، فیکس: 6108159، ای میل: urdueducation@hclinfinet.com

تبصرہ و تعارف

کلیاتِ پریم چند (جلد آٹھ) / مرتب: مدن گوپال

صفحات: 515، قیمت: -/172 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6،
آر کے پورم، نئی دہلی

مبصر: فیاض عالم

کلیاتِ پریم چند کی زیرِ تبصرہ جلد میں پریم چند کے دو آخری ناول، گئودان اور منگل سوتر شامل ہیں۔ یہ کتاب قومی اردو کونسل کے اس بڑے منصوبے کا حصہ ہے جس کے تحت پریم چند کی تمام تخلیقات کو کلیات کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا اور مستحسن قدم ہے جس سے نہ صرف طلبہ اور ریسرچ اسکالروں کو بڑی مدد ملے گی بلکہ عام قارئین کے ذوق کی تسکین بھی ہوگی۔

"گئودان" کو اردو ناول کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ناول میں پریم چند پہلی بار آدرش وادی نظریے سے دامن چھڑا کر نری حقیقت نگاری کی طرف گامزن نظر آتے ہیں۔ گرچہ اس ناول میں بھی وہ آدرش واد سے پوری طرح چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے ہیں لیکن گوبر کی شکل میں انھوں نے ایک ایسے کردار کی تخلیق کی ہے جس کے ذہن میں نہ صرف زمیندار، ساہوکار اور پٹواری کے ظلم و جبر اور استحصال کے خلاف نفرت کا لاوا پک رہا ہے بلکہ وہ ان استحصالی طاقتوں کے خلاف اپنی کسان اور مزدور برادری کو منظم کرنے کی کوشش میں بھی مصروف ہے۔ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں لکھے گئے اس ناول میں 'ہوری' حال کا نمائندہ بن کر سامنے آتا ہے اور گوبر 'مستقبل' کا نمائندہ بن کر۔ ہوری جہاں ساری صعوبتوں کو پچھلے جنم کے کرموں کا پھل اور بھاگیہ کا لکھا سمجھ کر خاموشی سے برداشت کرتا ہے وہیں گوبر استحصال کی چکی میں پسنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ اس استحصالی نظام کا خاتمہ کرنے پر کمربستہ ہے۔

گئودان میں پریم چند نے دیہاتی زندگی کے تمام پہلوؤں کی حقیقت شعارانہ عکاسی کی ہے۔ کھیت جوتنے سے لے کر بیج بونے، نرائی، سینچائی، کٹائی اور زراعت سے متعلق دیگر تمام امور وقتاً فوقتاً ناول کی فضا میں منعکس ہوتے ہیں۔ کسانوں کی زندگی کا شائد ہی کوئی ایسا گوشہ ہوگا جس کی عکاسی اس ناول میں نہ ہوئی ہو۔ ہوری اور اس کے افرادِ خانہ کے ذریعے پریم چند نے غلام ہندستان کے تمام کسانوں اور نچلے طبقے کے دیگر افراد کی زندگی کے نشیب و فراز اجاگر کر دیے ہیں۔ اس ناول میں ہوری روایتی کسان، گوبر نئی نسل کا نوجوان، رائے صاحب زمیندار، پنڈت داتا دین پروہت اور ساہوکار، مہتا، مرزا خورشید اور مس مالتی جدید طرزِ فکر رکھنے والے شہری افراد اور دھنیا گھریلو عورت کی علامت کے طور پر ابھرے ہیں۔

گئودان میں موضوع کے ساتھ پلاٹ، کردار نگاری اور زبان و بیان اپنے عروج پر ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ناول میں قصہ پن کی خوبی بھرپور موجود ہے۔ قاری پہلے صفحے سے ناول کا مطالعہ شروع کرتا ہے تو ہوری کی موت اور ناول کے اختتام تک پڑھتا چلا جاتا ہے۔ پریم چند کا کمال یہ ہے کہ وہ ناول میں مختلف موقعوں پر قاری کو مختلف جذبات و کیفیات سے گزارتے ہیں اور ناول کو ایک منطقی انجام تک پہنچاتے ہیں۔ قاری کرداروں کے دکھ میں دکھی اور سکھ میں سکھی محسوس کرتا ہے اور ناول کے تمام واقعات اسے حقیقی طور پر اپنے قرب و جوار میں وقوع پذیر ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔

"کلیاتِ پریم چند" میں شامل دوسرا ناول "منگل سوتر" ہے جو پریم چند کا آخری ناول ہے اور نامکمل ہے۔ اسے سوانحی ناول کہا جاسکتا ہے۔ گرچہ کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں لیکن ان کے افعال اور واقعات کے جائزے سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ ناول پریم چند نے اپنے حالاتِ زندگی پر تحریر کرنا شروع کیا تھا لیکن انجام تک نہ پہنچا سکے۔ منگل سوتر میں پریم چند کی بیوی شیورانی دیوی کی حقیقت شعارانہ عکاسی ملتی ہے، ساتھ ہی دونوں بیٹوں کی شخصیت سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ ناول میں بڑے بیٹے سے پریم چند کے اختلافات بھی اجاگر ہوئے ہیں۔

"کلیاتِ پریم چند" کی زیرِ تبصرہ جلد میں پروف کی غلطیاں رہ گئی ہیں اس کے سوا اس میں تمام محاسن موجود ہیں۔ امید ہے کتاب ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

•

مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

صفحات: 382، قیمت: -/124 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6،
آر کے پورم، نئی دہلی

مبصر: الطاف حسین ندوی

حالی اور ان کے معاصرین کے بعد اردو پر مغربی اثرات کا غلبہ اس حد تک بڑھا کہ ادب کی جانچ پرکھ اور افہام و تفہیم کے لیے مغرب کے تنقیدی نظریات کا برمحل اور بے محل حوالہ دینا اور اردو ادب کے مزاج، اس کے لسانی مسائل اور مشرقی تہذیب کو یکسر نظرانداز کر کے مغرب کے بھاری بھرکم ناموں اور مرعوب کن اصطلاحوں سے اپنی تحریروں کو سجانا ایک ادبی فیشن سا بن گیا۔ لیکن چند بالغ نظر نقادوں نے اس فیشن پر روک لگائی۔ ان نقادوں نے مغربی اثرات کی بالادستی قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنی تہذیب و ثقافت کی بازیافت کی۔ اس سلسلے میں شبلی کے علاوہ امداد امام اثر مسعود حسن رضوی ادیب اور عبدالرحمن بجنوری وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ موجودہ عہد میں سید عابد علی، مسیح الزماں، شمس الرحمن فاروقی اور نیر مسعود نے بھی مشرقی شعری روایت پر کام کیا ہے۔ یہ سبھی حضرات مغربی شعری روایت سے واقف ہیں اور پورے سیاق و سباق میں اس کی اہمیت کے بھی قائل ہیں لیکن ان کا یہ احساس بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ ادبی اور تہذیبی روایت کے بُعد کی بنا پر مغربی شعریات اور معیار نقد کو کسوٹی بنا کر اردو شاعری اور ادب کی تفہیم کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

حالی، شبلی اور ان کے معاصرین کے اس پہلو پر تو نقادوں نے کافی لکھا ہے کہ انھوں نے مغربی نظریات کے سمجھنے میں کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے اور مغربی شعریات سے وہ کس حد تک متاثر ہوئے ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ جس مشرقی شعری روایت کے پروردہ اور پرستار تھے، اُدھر توجہ نہیں دی گئی۔ خوشی کی بات ہے کہ پچھلے آٹھ دس برسوں سے اس خلا کو اُردو کے بعض ممتاز نقادوں نے محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان نقادوں کا یقین ہے کہ مشرقی شعریات کی روایت کا احیا کیے بغیر ہم اپنے ادبی ذخیرے کی نہ تو قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ اسے پورے طور سمجھ سکتے ہیں۔

"مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت" اسی یقین کا ایک عملی ثبوت ہے۔ اس کتاب کے مصنف ابوالکلام قاسمی، ایک تنقید نگار کی حیثیت سے اردو دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ادب کے موجودہ عالمی تصورات سے ان کی شناسائی سے ہم سب واقف ہیں۔ تقابلی ادب کا مطالعہ بھی ان کی دلچسپی کا ایک خاص میدان ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے عربی اور فارسی زبانوں سے اپنی واقفیت کا بہترین مصرف لیا ہے۔ انھوں نے عربی تنقید کی روایت اور فارسی شعریات کی روایت کے ذیل میں نہ صرف یہ کہ عربی اور فارسی شعریات کی پوری روایت کو بنیادی حوالوں کی مدد سے متعین کیا ہے بلکہ ان دونوں زبانوں پر مبنی مشرقی شعریات کے اثرات کی نشاندہی اردو کی تنقیدی روایت میں بھی کر کے دکھائی ہے۔ مصنف نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ نظریاتی ہے اور دوسرا اطلاقی ہے۔ پہلے حصے میں مشرقی شعریات کی روایت کو مرتب کیا گیا ہے۔ مشرقی شعریات کی تشکیل کے سلسلے میں عربی تصوراتِ شعر کے ساتھ ساتھ فارسی کے شعری تصورات کی اہمیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ کتاب کے اطلاقی حصے میں ابوالکلام قاسمی نے تین ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلے باب میں انھوں نے اردو شعرا کے تذکروں میں مشرقی شعریات کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ دوسرے میں اردو شاعروں کے تنقیدی شعور کو ان کے اشعار کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور تیسرے باب میں ان نقادوں کے یہاں عربی اور فارسی کی تنقیدی روایت کا تسلسل تلاش کیا گیا ہے جن کے تنقیدی شعور کی تربیت اور استحکام میں مشرقی روایت کا نمایاں عمل دخل رہا ہے۔ اس باب میں محمد حسین آزاد، حالی، شبلی، امداد امام اثر، مولوی عبدالرحمن دہلوی، وحیدالدین سلیم، مولوی عبدالحق، عبدالسلام ندوی، نیاز فتح پوری، حسرت موہانی، عبدالماجد دریا آبادی اور مسعود حسن رضوی ادیب کے تنقیدی تصورات خصوصیت کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں۔

"مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت" کی امتیازی خصوصیت، اصل اور بنیادی حوالوں تک مصنف کی رسائی ہے۔ اردو میں اب تک مشرقی شعریات کے موضوع کو جن دو ایک کتابوں میں زیر بحث لایا گیا ہے ان میں عام طور پر ثانوی حوالوں ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ابوالکلام قاسمی چونکہ عربی اور فارسی زبانوں سے واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک کھلا ذہن اور غیر متعصبانہ تنقیدی شعور بھی رکھتے ہیں، اس لیے انھوں نے تنقیدی آثار کی تلاش و جستجو میں بالغ نظری اور دوررسی کا ثبوت دیا ہے۔ عربی تنقید کے سلسلے میں ابن قتیبہ، قدام ابن جعفر، ابن رشیق، ابن اثیر، ابن خلدون، عبدالقاہر جرجانی، ابو بکر باقلانی، ابو ہلال عسکری اور فارسی کی تنقیدی روایت میں امیر کیکاؤس ابن قابوس، نظامی عروضی سمرقندی، رشیدالدین وطواط، محمد عوفی اور شمس قیس رازی کے تنقیدی کارناموں کی تفہیم و تلخیص میں مصنف کی دقتِ نظر کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مصنف نے دوسرے ابواب میں تنقید کے پیچیدہ مسائل کو جس جامعیت اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ شعریات اور اس کے مسائل پر اُن کے عبور اور دسترس کو ظاہر کرتا ہے۔

آزاد، شبلی، حالی اور امداد امام اثر جیسے مشرقی روایت کے پروردہ تنقید نگاروں کو عام طور پر ان کی اپنی روایت سے الگ کر کے ہی دیکھنے اور دکھانے کا طریقہ رائج تھا۔ ابوالکلام قاسمی نے پہلی بار ان نقادوں کو خالصتاً مشرقی شعریات کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کی ایک

خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں تمام ابواب سے متعلق حوالے اور حواشی موجود ہیں۔ ان حوالوں اور حواشی کے اندر کتاب میں مستعمل اصل ماخذ کی عبارتیں درج کردی گئی ہیں تاکہ معتبر ترین حوالے دستیاب کرنے کے سلسلے میں ان سے رجوع کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ اسماء الرجال والکتب کے عنوان سے ایک قیمتی اشاریہ بھی منسلک کردیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ بڑی دیدہ ریزی سے تیار کیا گیا ہے۔

ابوالکلام قاسمی نے یہ کتاب تصنیف کر کے اردو کے تنقیدی تصورات کے اصل اور بنیادی پس منظر پر ایک دستاویز مرتب کردی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کتاب، شعریات پر کام کرنے والے کسی بھی اسکالر کے لیے حوالے کی ایک قابلِ اعتبار اور قابلِ انحصار کتاب (Reference Book) ثابت ہو سکتی ہے۔ کتاب کا اسلوب بیان منطقی اور استدلالی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا موثر اور دلنشیں ہے اور اس کی زبان معیاری و مثالی ہونے کے علاوہ موضوع سے عین مطابقت رکھتی ہے۔

•

انتخاب غزلیات میر / پروفیسر حامدی کاشمیری

صفحات: 255، قیمت: -/62 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر کے پورم، نئی دہلی

مبصر: احمد کفیل

بیسویں صدی کے نصف آخر سے کلاسیکی شعرا کی بازآفرینی کے عمل میں میر شناسی ایک نمایاں حیثیت اختیار کرگئی ہے۔ میر نے مختلف اصناف میں شاعری کی۔ غزل اور مثنوی ان کے خاص میدان رہے جن میں انھوں نے اپنی غیر معمولی جودتِ طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن ان سب اصناف میں غزل ان کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ رہی ہے۔ انھوں نے غزلوں کے کل چھ دواوین یادگار چھوڑے ہیں۔ جن میں لگ بھگ تیرہ ہزار پانچ سو پچاسی اشعار ہیں۔ ان اشعار میں جہاں فن کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں وہیں خیالات کے منظوم بیان بھی ملتے ہیں۔ میر کی استادی اور ان کی شاعرانہ عظمت کو سمجھنے کے لیے اکثر و بیشتر ناقدین نے ان کے دواوین کی چھان پھٹک کر کے اپنے اپنے حساب سے غزلوں اور اشعار کے انتخاب کیے ہیں۔ اگرچہ میر نے کہا تھا کہ ہمارے سب شعر "انتخاب زدہ ہیں"۔ مرزا علی لطف نے "گلشن ہند" میں میر کو سحر کاری سخن میں طلسم سازی خیال کا شاعر کہا ہے۔ کچھ ایسا ہی خیال صاحب "طبقات الشعرا" نے بھی ظاہر کیا ہے لیکن ناقدین ایک عرصے تک اس نکتے سے چشم پوشی ہی کرتے رہے۔ اب اس بات سے ہم قطعی انکار نہیں کر سکتے کہ میر کی شاعری میں سادگی اور روانی کے ساتھ تجربات کی پیچیدگی بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری کے انتخاب کردہ غزلیات و اشعار میر کا مطالعہ کیجیے تو ہمیں قائل ہونا پڑتا ہے کہ میر کے یہاں کتنی وسعت ہے اور کیسی ہفت رنگ پھلجھڑی یہاں سے بکھرتی ہے۔ اس کا احساس خود میر کو بھی تھا:

جلوہ ہے مجھی سے لب دریائے سخن پر
صد رنگ میری موج ہے میں طبع رواں ہوں

میر کے شعروں کی صد رنگ پھلجھڑی سے ایک عرصے تک ناقدین نے چشم پوشی کی اور تذکروں سے لے کر حالی اور مولوی عبدالحق وغیرہ تک میر کی شاعری کو شخصیت اور سوانح کے حوالے سے سمجھنے کی کوششیں کی گئیں۔ مغربی اصولِ نقد کے تحت میر کی شخصیت کو ان کی شاعری پر اور ان کی شاعری کو شخصیت پر رکھ کر پرکھنے کی جو روایت مولانا محمد حسین آزاد نے قائم کردی تھی، اس کا ایسا اثر قائم ہوا کہ حالی بھی خود کو اس حصار سے باہر نہ لاسکے اور حد تو یہ ہے کہ کلیم الدین احمد جیسے روایت شکن نقاد بھی میر پر روایت سے الگ ہٹ کر کچھ نہیں سوچ سکے۔ مولوی عبدالحق، مجنوں گورکھپوری، عندلیب شادانی، سید عبداللہ اور آلِ احمد سرور وغیرہ بھی جو میر شناسی کے باب میں ممتاز نقاد تصور کیے جاتے ہیں، میر کو ان کی شخصیت اور سوانح سے باہر نہ لاسکے۔ پھر تو یہ روایت ایسی چل پڑی کہ اس سے انحراف کو خلافِ قانون تصور کیا جانے لگا۔ تنقید کے اس غیر تاملانہ انداز پر خود میر ہی کا شعر صادق آتا ہے

حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

تذکرہ نگاروں اور تنقید نگاروں نے میر کی قادرالکلامی اور استادی کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن یہ سب رائیں حامدی کاشمیری کے لفظوں میں "بالعموم تحسینی نوعیت کی ہیں اور تنقید کے عمل سے بعید"۔ میر شناسی کے باب میں ایک عرصے تک یہ رائے قارئین کے ذہن پر حاوی رہی ہے کہ میر غم پسند تھے، وہ محض غم کے اور رونے دھونے کے شاعر ہیں۔ لیکن اب یہ حقیقت آشکارا ہونے لگی ہے کہ میر نے گرچہ دل اور دلّی کی بربادی کے حوالے سے شاعری کی ہے لیکن ان کا غم شخصی زندگی کے حدود کو پار کر کے ایک آفاقی صورت اختیار کرگیا ہے اور ان کے دل اور دلی کی تباہی کی فکری جہت حیات و کائنات کے عالم گیر مسائل کو چھولیتی ہے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری نے اپنے مقدمے میں میر کی ہمہ جہت فکری بلندیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حامدی کاشمیری نے غزلیات و اشعار میر میں میر کے شعری آہنگ اور لہجے

کے زیر و بم سے جذبہ و احساس کی جس کثیر الجہتی کو نمایاں کیا ہے، ان میں میر کی خود کلامی، آہستگی، متانت، طنز، استہزا، ظرافت، سرگوشی، مزاح، شوخی، بے نیازی، دل گداختگی، برشتگی، المناکی اور مسرت آگینی کی نیرنگ سامانی جلوہ گر ہے۔

1960 کے آس پاس "نئی غزل" کے شعرا نے کچھ سیاسی اور سماجی وجوہ سے اسلوب میر کی جو بازیافت کرنا شروع کی، اس سے اگرچہ میر کی تفہیم و تحسین میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس نے بعد کے ناقدین کو میر شناسی کے باب میں ایک نئی سوچ کی طرف مائل کر دیا اور اس نئی سوچ کے زیرِ اثر 1978 میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام تفہیمِ میر پر ایک ہند و پاک سیمنار منعقد کرایا جہاں سے میر شناسی کا ایک متحرک باب کھل گیا اور ناقدین نے اپنی اپنی رسائی کے مطابق میر کو نئے ڈھنگ سے پڑھنا اور سوچنا شروع کر دیا۔ اس باب میں گوپی چند نارنگ، شمس الرحمن فاروقی، حامدی کاشمیری، قاضی افضال حسین، محب عارفی، نظیر صدیقی، مغنی تبسم، جمیل جالبی، وارث علوی اور فضیل جعفری وغیرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ میر شناسی کے اس نئے باب میں گوپی چند نارنگ کی پیش رفت اس حیثیت سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ موصوف نے لسانیاتی اور اسلوبیاتی سطح پر میر کے شعری محاسن کو اجاگر کیا ہے۔ اپنے تجزیاتی نظریۂ تنقید کے ذریعے اشعارِ میر میں بول چال کی زبان اور شاعری کی زبان پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ روزمرہ محاورات اور استعارات کی ٹوٹی ہوئی حد بندیاں میر کے حوالے سے نشان زد ہو کر سامنے آگئی ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے تعبیر، تفہیم، تشریح اور تجزیے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی کتاب "شعر شور انگیز" کی چاروں جلدوں میں میر پر ایک طویل بحث کی ہے جنھیں میر شناسی کے باب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ "انتخاب غزلیاتِ میر" اور اس کا جامع مقدمہ میر شناسی کی مزید وسعتوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے قارئین و ناقدین سے مطالعے کی دعوت دیتا ہے۔

پروفیسر حامدی کاشمیری کا یہ انتخاب "انتخاب غزلیاتِ میر" مستند، متوازن اور جامع انتخاب ہے۔ میر کے دواوین کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے یعنی دیوانِ اول، دیوانِ دوم وغیرہ۔ انتخاب میں مختصر مگر بہت جامع مقدمہ بھی شامل ہے جو غزلیات و اشعارِ میر کے انتخاب کی غرض و غایت کو مدلل انداز میں واضح کرتا ہے۔ "انتخاب غزلیاتِ میر" کی اہمیت اور کھپت کے پیش نظر ہی پے بہ پے اب تک اس کے دو ایڈیشن منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ قومی اردو کونسل ہمیشہ ہی اس بات کے لیے مبارک باد کی مستحق رہی ہے کہ یہاں سے شائع شدہ کتابیں محبانِ اردو کے لیے بہت کار آمد ثابت ہوتی رہی ہیں۔ ان کتابوں میں "انتخاب غزلیاتِ میر" بھی شامل ہے۔

●

آواز میں لپٹی خاموشی / مصنف گل شیر بٹ

صفحات: 142، قیمت: -/100 روپے

ناشر: الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز، سیکنڈ فلور (چوک پرانی انار کلی)، لیک روڈ، لاہور

مبصر: رضوان الحق

"آواز میں لپٹی خاموشی" عہدِ حاضر کے ممتاز فن کار گلزار کے فن جس میں شاعری، افسانہ نگاری اور فلمیں شامل ہیں (ہدایت کار، اسکرپٹ نگار، نغمہ نگار) کو سمجھنے کی ایک ایماندارانہ کوشش ہے۔ اس کتاب کے مصنف گل شیر بٹ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور (پاکستان) میں قانون کے طالب علم ہیں۔ لیکن انھوں نے اس کتاب میں قانونی داؤ پیچ تو دور، پیشہ ور ناقدوں کے اصولوں سے بھی پوری طرح گریز کیا ہے اور کتاب کو ایک بالکل نئی تکنیک میں پیش کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب گلزار کے فن کو جنون کی حد تک چاہنے والے ان کے ایک شیدائی کے جذبات ہیں۔ یہ پوری کتاب خط کی تکنیک میں ہے جس کے مکتوب الیہ گلزار ہیں۔ لیکن اس کتاب کی اصل تکنیک خط کی تکنیک نہیں بلکہ قصہ گوئی کی تکنیک ہے۔ جس میں گل شیر بٹ نانی اماں کی طرح قصہ سنا رہے ہیں۔ اور قصہ سننے والے ان کے چند احباب ہیں جو بچوں کی طرح شوخ تو ہیں ہی لیکن اچھے طالب علموں کی طرح ذہین بھی ہیں اور جہاں ذرا بھی گنجائش ہوتی ہے، سوال بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس قصے کے شہزادے (ہیرو) گلزار ہیں۔ اس میں قصے کی طرح بات سے بات نکالنے کا عمل بھی ہے اور بے ترتیبی بھی۔ پوری کتاب شعور کی رو میں ہے۔ مصنف کبھی ایک موضوع پر بات کرتا ہے پھر اسے ادھورا چھوڑ کر دوسرے موضوع پر پہنچ جاتا ہے اور اپنی بات کی تصدیق کے لیے کبھی فلمی کرداروں اور کہانیوں کا ذکر کرتا ہے تو کبھی افسانوں کے کرداروں کا، کبھی شاعری کا، کبھی فلمی نغموں کا اور ان تخلیقات کا جواز گلزار کی حیات میں تلاش کرتا ہے۔ اپنی بات کی تائید کے لیے وہ جگہ جگہ فرائڈ، ورڈس ورتھ، کیٹس، ملٹن، میکسم گورکی، کافکا، مولانا رومی، فیضی، بلھے شاہ، بابا فرید، عمر خیام، فیض وغیرہ نہ جانے کتنے مغربی و مشرقی فن کاروں، دانشوروں اور صوفیائے کرام وغیرہ کے اقوال کا بار بار سہارا لیتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا مطالعہ کتنا وسیع ہے۔

مصنف نے گلزار سے اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے۔ "میں ہوں

آپ کو بہت دور تقریباً دو ہزار میل سے جاننے والا گل شیر، آپ کی فلم آندھی والا گل شیر نہیں بلکہ گل شیر بٹ بلکہ گل شیر بھٹ کیوں کہ بھارت میں مقیم "کشمیری" بٹ کی بجائے "بھٹ" لکھتے ہیں۔" دراصل کشمیری برہموں میں بھٹ نام کا ایک فرقہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن چوں کہ "بھ" کی آواز خالص ہندستانی ہے اور عربی فارسی میں نہیں پائی جاتی۔ اس لیے شاید بعد میں اپنی الگ شناخت بنانے کے لیے کچھ لوگوں نے "بھٹ" کو "بٹ" کر دیا۔ یہ روش پاکستان میں زیادہ رائج ہو گئی۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے اپنے نام کے ساتھ "بھٹ" لکھنے سے گریز نہیں ہے۔

گل شیر بٹ نے گلزار کی جائے پیدائش دینہ ضلع جہلم (پاکستان) سے ان کی وابستگی، وہاں بیتے بچپن کو اور پھر تقسیم ملک کے بعد ہندستان ہجرت کو گلزار کے تخلیقی سفر میں بڑی اہمیت دی ہے۔ اس امر سے انکار ممکن بھی نہیں ہے کیوں کہ گلزار نے خود بھی اکثر اپنی تخلیقات میں ان حالات کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے "گیارہ سال کی عمر میں میں نے جو حادثات دیکھے تھے، وہ اگلے پچیس برس تک خوفناک خواب کی طرح ستاتے رہے۔" ایک نظم میں وہ کہتے ہیں۔

"وہیں اس دن پھینک آیا تھا اپنا بچپن۔۔۔"

اور فلم "موسم" کا ایک مکالمہ ہے "بوڑھا ہونے میں کوئی دیر لگتی ہے۔ کوئی ذرا سا غم لگ جائے تو آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔"

حیات و کائنات کے بارے میں گلزار کے تصورات کو اگرچہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے لیکن وہ کافی بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں بنیادی اہمیت محبت کی ہے۔ جو عشق مجازی سے عشق حقیقی اور فراق سے وصال کی تمام کیفیات کا مجموعہ ہے۔ دنیا اور سماج کی ناہمواریوں و معذوروں کے تئیں گلزار کے خیالات کافی روشن اور ترقی پسند ہیں۔ لیکن عورتوں کے تئیں اس کتاب میں گلزار کے خیالات کافی روایتی نظر آتے ہیں، دراصل وہ خود مصنف کے خیالات محسوس ہوتے ہیں اور یہ انھوں نے گلزار کے ایک افسانے "ایک چابی" کے ایک کردار سیما سے غلط طریقے سے اخذ کیے ہیں۔ ویسے بھی اس کردار کو بنیاد بنا کر گلزار کے عورتوں کے تئیں خیالات کا اندازہ لگانا گلزار کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ گلزار کی بچوں سے وابستگی، بچوں کے لیے لکھے گئے ان کے گیت، مثلاً جنگل جنگل پتہ چلا ہے، پتہ چلا ہے چڈھی پہن کے پھول کھلا ہے۔" یا "لکڑی کی کاٹھی۔۔۔۔۔ اور سائنس فکشن (بوسکی کی پنچ تنتر) وغیرہ کو کافی دلچسپ انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں گلزار کی فلموں کا تفصیلی ذکر ہے، ان کی فہرست ہے، ان کے گیتوں کی فلموں کے نام ہیں۔ گل شیر بٹ نے گلزار کی شاعری کی جو اہم خصوصیات بتائی ہیں، ان میں حد سے بڑھی ہوئی حسیت، لمسی پیکر، خاموشیوں کی آوازوں کو نہ صرف محسوس کرنا بلکہ انھیں سن کر پیش کرنا اور لفظوں کی مخصوص ترتیب سے انفرادیت پیدا کرنا ہیں۔

یہ کتاب اپنے مخصوص قصہ گوئی کے انداز میں بڑی دلچسپ ہے اور اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ اب گلزار پر علمی انداز میں بھی ایک کتاب لکھی جائے۔

●

لولاک / چندر بھان خیال

صفحات: 128، قیمت: -/60 روپے

ناشر: فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2158، ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریاگنج، نئی دہلی-110002

مبصر: فیروز عالم

عصر حاضر کے شاعروں میں چندر بھان خیال نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں میں ان کے دو شعری مجموعے "شعلوں کا شجر" اور "گم شدہ آدمی کا انتظار" شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

"لولاک" چندر بھان خیال کی ایک طویل نظم ہے جس میں انھوں نے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت اقدس کو موضوع بنایا ہے۔ چھ حصوں پر مشتمل اس نظم میں موصوف نے حضرت محمدؐ کی سیرت پاک کے تمام اہم گوشوں کو بڑے منفرد اور دلنشیں لہجے میں اجاگر کیا ہے۔ حضرت محمدؐ کی ولادت سے پہلے عرب کی صورت حال، ولادت، نبوت، ہجرت، جہاد اور نصرت کے زیر عنوان خیال نے حیات مبارکہ کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ حضور کی ولادت باسعادت سے قبل عرب کی صورت حال اس شعر میں ملاحظہ کیجیے

ہر طرف بے روح منظر آدمی کے سامنے
ایک بھی چلتی نہیں تھی تیرگی کے سامنے

عربوں کی بے راہ روی، انتشار، جنگ و جدال اور ظلم و ستم کے ماحول میں حضرت ابراہیمؑ کا نزول، مشرکین کی شکست اور خانۂ کعبہ کی تعمیر کے واقعات شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیے ہیں۔ لیکن پھر وہ وقت آیا کہ لوگ دینِ ابراہیمی سے پھرنے لگے اور

خانۂ کعبہ کا ہر پتھر بنا اک دیوتا
پھر گئے اہلِ عرب توحید کی تعلیم سے

حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت ایک ایسے معاشرے اور عہد میں ہوئی جو پوری طرح سے لہو و لعب میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن جب آپ تشریف لائے تو

شعلہ بار موسم میں فصلِ نو بہاروں کی
ہر نفس مہک اٹھی قسمتوں کے ماروں کی

ابتدا سے ہی آپ کی ذات جامع الصفات تھی اور انھی کی بنا پر ایک عیسائی راہب نے آپ کے نبی ہونے کی پیشن گوئی کی۔

نبوت کے زیرِ عنوان اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب تاریکی حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر اسی کے بطن سے روشنی کی کرن نمودار ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اندھیرے کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ کی بعثت کے بعد دنیا منور ہو گئی۔ خیال نے وہ تمام سوالات بھی اس ضمن میں پیش کیے ہیں جو حضرت محمدؐ کے ذہن میں نبوت سے پہلے گونجا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ دنیا کس نے بنائی، چاند ستاروں کی تخلیق کس نے کی، دن اور رات کیسے بنتے ہیں۔ کوئی تو ہوگا جو ان سب پر قادر ہوگا۔

غارِ حرا میں جبریل کی آمد کے بعد انھیں ان سوالات کا جواب مل گیا۔ یہیں سے اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرنے کا حکم اور ان کے نبی آخرالزماں ہونے کی بشارت ملی۔ انھوں نے تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا لیکن خود ان کے قبیلے قریش نے جو سارے عرب میں معزز تھا، ان کی سخت مخالفت کی اور ایسے میں معراج کی رات آئی جس میں نبی کریمؐ کو اللہ کا دیدار نصیب ہوا اور آپ تمام انبیا سے ملے، جنت اور جہنم کا نظارہ دیکھا۔ اس مبارک رات کے سینے سے بقولِ خیال "سحر ائی سحر نکلی۔"

جب مکہ والوں کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو حضورؐ کو ہجرت کا حکم ملا۔ حضرت علیؓ کو اہلِ مکہ کی امانتیں سونپ کر آپ نے آدھی رات کو گھر چھوڑ دیا اور اپنے ہمدم و ہمراز حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ غارِ ثور میں تین راتیں گزاریں۔ اس کے بعد مدینے کی جانب کوچ کیا۔ اہلِ مدینہ نے شاندار استقبال کیا اور جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

لولاک کا پانچواں باب "جہاد" ہے جس میں شاعر نے جہاد کے مقصد اور ضرورت کی وضاحت اور اس کے متعلق غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ جہاد کا مقصد انصاف کا بول بالا، ظلم و استبداد کا خاتمہ اور مظلوموں کی معاونت ہے۔ نظم کے اس حصے میں خیال نے جنگ کے مناظر کی بہترین عکاسی کی ہے۔

لولاک کے آخری باب "نصرت"، میں بدی پر نیکی اور انکار پر ایمان کی فتح کو موضوع بنایا گیا ہے۔ رحمتہ اللعالمینؐ جب فتحِ مکہ کے بعد شہر میں داخل ہوئے تو وہ لوگ جو اسلام دشمنی میں مشہور تھے خوف کے مارے گھروں میں چھپ گئے۔ آپ نے تمام مکہ والوں کو عام معافی دی

نبی نے فاتح و مفتوح کی فطرت بدل ڈالی
نظامِ جاہلی کے سورماؤں کو اماں دے کر
سبھی محکوم و بے آواز حلقوں کو زباں دے کر

نبی کریمؐ کے اس حسنِ سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

نصرت کے زیرِ عنوان چندر بھان خیال نے رسولِ اکرمؐ کے ارشادات اور حجتہ الوداع کے موقعے پر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے جن باتوں کی تلقین کی تھی، ان کو بڑے سلیقے سے شعری پیرائے میں پیش کیا ہے۔

"لولاک" کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو احساس ہوتا ہے جیسے وہ خود اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھ رہا ہے۔ تمام اشعار ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور ان میں غضب کی روانی ہے کہ کہیں رکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ کمپوزنگ اور طباعت میں بھی کہیں کوئی خامی نظر نہیں آتی جو موجودہ دور کی کتابوں میں عام ہے۔

•

ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین / عطاءالرحمن قاسمی

صفحات: 32، قیمت: -/20 روپے

ناشر: مولانا آزاد اکیڈمی، ڈی 134، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-25

مغل سلاطین میں اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت اختلافی رہی ہے۔ بعض لوگ اسے منصف مزاج لیکن دوسرے بہت سے لوگ متعصب قرار دیتے ہیں۔ اس کتاب میں مشہور سیاسی اور علمی شخصیت ڈاکٹر بشمبھر ناتھ پانڈے نے اورنگ زیب کے ایسے بہت سے فرامین یکجا کر دیے ہیں جن کی رو سے ہندستان بھر کے مندروں اور مٹھوں کو جاگیریں اور دوامی مراعات دی گئیں۔ مرتب کتاب مولانا عطاءالرحمن قاسمی نے اپنے مقدمے میں ایک اطلاع یہ دی ہے کہ لال قلعے کے سامنے جو جین مندر ہے اسے بھی اورنگ زیب سالانہ وظیفہ دیتا تھا اور 1947 تک مندر کی پیشانی پر عالمگیر بادشاہ غازی کے نام کا فارسی کتبہ نصب تھا۔ ڈاکٹر پانڈے کا خیال ہے کہ اپنی سامراجی مصلحتوں کے تحت ہندستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفاق کے بیج بونے کی انگریزوں نے جو کوششیں کیں، اورنگ زیب کی کردار کشی بھی انھی کوششوں کا ایک حصہ تھی۔ اس مختصر سی کتاب کا مطالعہ جس میں بعض فرامین کے عکس بھی شامل ہیں، دلچسپی سے خالی نہیں۔

•

فاصلاتی نظامِ تعلیم اور اردو (ہندستانی پس منظر میں)

ریاض احمد

صفحات 192، قیمت -/200 روپے

ناشر: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9 گولا مارکیٹ، دریاگنج، نئی دہلی-110002

فاصلاتی نظام تعلیم اور اردو (ہندستانی پس منظر میں) اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ مصنف کے ایم فل کا تحقیقی مقالہ ہے جس کے چار ابواب میں انھوں نے فاصلاتی تعلیم کے تصور، منہاج و مقاصد، اور ہندستان میں فاصلاتی تعلیم کے تقریباً 70 مراکز کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں ریاض احمد نے سروے کرکے فاصلاتی تعلیم کے حوالے سے تازہ ترین اعداد و شمار جمع کیے ہیں اور ان کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں اوپن یونی ورسٹیوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان یونی ورسٹیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے نصابات میں اردو شامل نہیں ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں یونی ورسٹیوں، فاصلاتی و مراسلاتی تعلیم کے شعبوں اور اداروں کے مکمل پتے، فون نمبر، فیکس نمبر اور ای میل نمبر بھی یکجا کردیے گئے ہیں جو طلبہ کے لیے بے حد کار آمد ہیں۔

•

پروفیسر بلبیر ورما اخگر — احوال و شاعری / بنجے گوڑ بولے

صفحات 188، قیمت -/150 روپے

ناشر: اسباق پبلی کیشنز، پونہ، مہاراشٹر

اس کتاب میں ایک غیر معروف شاعر و دانشور بلبیر ورما اخگر کے احوال و کوائف کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے باب میں کالی داس گپتار ضا، بنجے گوڑ بولے اور ناظم القادری کے مضامین اور اخگر کی ملاقات کا احوال و چند خطوط شامل ہیں اور دوسرے باب میں اخگر کی شاعری پر نذیر فتح پوری کا مضمون اور اس کے بعد اخگر کی نظمیں و غزلیں درج ہیں۔

•

انوار حرم / شاداں سلطان پوری

صفحات 152، قیمت -/90 روپے

ناشر: مصنف، بھٹی جرولی، پوسٹ کتاداں، ضلع سلطان پور، یوپی

'انوار حرم' شاداں سلطانپوری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جس میں مختلف عنوانات کے تحت شاعر نے نعت پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی دیگر اسلامی موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ چند نظمیں حضرت حسینؓ پر بھی شامل کتاب ہیں۔

•

پسِ عکسِ خیال / ارشد صدیقی

صفحات 96، قیمت -/100 روپے

ناشر: مکتبہ دانش کدہ، سی 63/، باغ امراؤ دولھا، بھوپال۔10

زیر نظر مجموعہ انگریزی نظموں کے شعری ترجمے پر مبنی ہے۔ ارشد صدیقی نے ورڈز ورتھ، شیلی، کیٹس، ٹینی سن، تھامس مور، پراکٹر، لانگ فیلو، ساؤدے، اور سروجنی نائیڈو وغیرہ کی چند شاہکار نظموں کا بہت ہی پر اثر ترجمہ پیش کیا ہے۔ نظموں کا ترجمہ کرتے وقت ارشد صدیقی نے بحر اور آہنگ کا خاص خیال رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کی اثر انگیزی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

•

رنگ باتیں کریں / مجید مضمر

صفحات 168، قیمت 200 روپے

ناشر: یاور پبلی کیشنز، حضرت بل، سری نگر

اس کتاب میں مصنف کے مختلف تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ جن کے موضوعات ہیں، اردو افسانے کی تنقید، میر تقی میر اور اردو تنقید، مجتبیٰ حسین کا فن، فیض کی شاعری کا استحصان، حامدی کاشمیری کی شاعری، حکیم منظور۔ شخص اور شاعر، سریندر پرکاش کے افسانے، کتھانگر کا باسی۔۔۔۔ جوگندر پال اور سمبلزم کا سفر۔ ادب و شاعری سے شغف رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک حسین تحفہ ہے۔

•

گھروندے ریت کے / اقبال بیدار

صفحات 205، قیمت -/60 روپے

ناشر: مصنف، 9 گلشن اقبال (نزد رمبھا سنیما) جنسی جہانگیر آباد، بھوپال-8

"گھروندے ریت کے" اقبال بیدار کا شعری مجموعہ ہے جس کے پہلے حصے میں بیدار کی شاعری پر رفعت سروش، فہیم اعظمی، عشرت قادری، رضیہ حامد، رضا رامپوری، رہبر جونپوری، سہیل احمد فاروقی وغیرہ کے مضامین اور دوسرے حصے میں غزلیں، نظمیں، نعتیں اور قطعات شامل ہیں۔

•

شجر خامہ / ساحل احمد

صفحات 112، قیمت -/100 روپے

ناشر: اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد

'شجر خامہ' ساحل احمد کا نواں شعری مجموعہ ہے۔ کتاب کے مطالعے سے تخلیق کاری فن کی گرفت کا پتہ چلتا ہے۔ اشعار ایک خوش گوار تاثر چھوڑتے ہیں۔

ایک دیا یاد کا ڈیوڑھی پہ ضرور
شام ہوتے ہی جلا کر رکھنا

ساحل احمد کے اشعار ان کے لب و لہجے کے عکاس ہیں۔

بچوں کا گوشہ

جواہر لال نہرو کا خط ہندستانی بچّوں کے نام

پیارے بچو!

میں بچوں کے ساتھ رہنا، ان سے باتیں کرنا اور ان کے ساتھ کھیلنا بہت پسند کرتا ہوں۔ ایک لمحے کے لیے میں یہ بھول جاتا ہوں کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور وہ دن بہت پیچھے رہ گئے ہیں جب میں بھی ایک بچہ تھا۔ میں، تم سے اپنے کو دور پاتا ہوں۔ عمر دراز لوگوں کی عادت جوانوں کو نصیحت اور اچھی رائے دینے کی ہوتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ کافی پہلے جب میں بچہ تھا، مجھے یہ چیزیں ناپسند تھیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اسے زیادہ پسند نہ کرتے ہو گے۔ بڑے لوگوں کی عادت اپنے آپ کو عقل مند ظاہر کرنے کی بھی ہوتی ہے حالانکہ ان میں سے بہت کم عقل مند ہوتے ہیں۔ میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا کہ میں عقل مند ہوں یا نہیں۔ کبھی کبھی دوسروں کی باتوں سے لگتا ہے کہ میں عقل مند، تیز اور اہم آدمی ہوں۔ لیکن جب خود اپنے آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس میں شبہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو واقعی عقل مند ہیں کسی بھی موقعے پر اپنی عقل مندی کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے اور نہ ہی ان کا رویہ ایسا ہوتا ہے جس سے لگے کہ وہ بہت اہم ہیں۔

پھر میں کیا لکھوں؟ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو مجھے تم سے اس خوبصورت دنیا کے بارے میں باتیں کرنا اچھا لگتا۔ پھولوں کے بارے میں، درختوں، چرندوں پرندوں، جانوروں، ستارے، پہاڑوں، برفانی تودوں (Glaciers) اور دوسری تمام خوبصورت چیزوں کے بارے میں جو ہمارے چاروں طرف موجود ہیں۔ یہ تمام خوبصورتی ہمارے چاروں طرف موجود ہے اور اس کے باوجود ہم جو کہ اب بڑے ہو چکے ہیں، اکثر اسے بھول جاتے ہیں اور اپنے آپ کو بحث و مباحثے یا اپنے جھگڑوں میں گم کر لیتے ہیں۔ ہم اپنے آفس میں بیٹھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اہم کام کر رہے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ تم زیادہ ہوش مند ہو گے اور تمہاری آنکھیں اور کان دنیا کی اس خوبصورتی کو دیکھ اور سن رہے ہوں گے جو تمہارے چاروں طرف موجود ہے۔

کیا تم پھولوں کو ان کے نام سے اور چڑیوں کو ان کے چہچہانے کی آواز سے پہچان سکتے ہو؟ انھیں دوست بنانا کتنا آسان ہے۔ اگر تم ان کے ساتھ محبت اور دوستی سے پیش آؤ تو وہ جلد ہی تمہارے دوست بن جائیں گے۔ تم نے پرانے زمانے کی بہت ساری خیالی کہانیاں ضرور سنی ہوں گی۔ لیکن دنیا بذات خود بہت بڑی خیالی کہانی نیز مزے دار مہماتی کہانی ہے جو ابھی تک لکھی گئی ہے۔ ہماری آنکھیں دنیا کی خوبصورتی کو دیکھنے کے لیے، کان اس کے آہنگ کو سننے کے لیے اور دماغ زندگی کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے ہونا چاہیے۔

بڑے لوگ اپنے آپ کو عجیب و غریب طریقے سے مختلف خانوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے لیے مذہب، ذات، رنگ، پارٹی، قوم، ریاست، زبان، رسم و رواج اور امیری و غریبی کی دیوار کھڑی کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ خود اپنی بنائی ہوئی دنیا میں قید ہو جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے بچے ان سب چیزوں کے متعلق زیادہ نہیں جانتے جو کہ ایک دوسرے سے دوری کا سبب بنتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور کام کرتے ہیں اور بڑے ہونے کے بعد اپنے بزرگوں سے ان چیزوں کے متعلق جاننا شروع کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ان مرحلوں سے تم ابھی دور ہو۔

کچھ مہینے قبل جاپانی بچوں نے مجھے خط لکھ کر ایک ہاتھی بھیجنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے ہندستانی بچوں کی طرف سے انھیں ایک خوبصورت ہاتھی بھیجا تھا..... یہ شاندار جانور ان کے لیے ہندستان کی علامت اور ان کے اور ہندستانی بچوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بن گیا۔ میں بہت خوش ہوا کہ یہ تحفہ جاپانی بچوں کو بے حد پسند آیا اور انھیں بہت خوشی و مسرت حاصل ہوئی اور انھوں نے ہندستان کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ یاد رکھو کہ کہیں بھی جہاں تمہاری طرح بچے ہیں، وہ اسکول جاتے، ساتھ کام کرتے، کھیلتے اور کبھی کبھی لڑتے جھگڑتے ہیں لیکن دوبارہ پھر سے دوست بن جاتے ہیں۔ تم اپنی کتابوں میں ان ملکوں کے بارے میں پڑھ سکتے ہو اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تم میں سے کئی وہاں بھی جاؤ گے، دوستوں کی طرح وہاں جاؤ اور تم دیکھو گے کہ تمہارا استقبال دوستوں کی طرح ہوگا۔

تم جانتے ہو کہ ہمارے درمیان ایک عظیم شخص تھا، مہاتما گاندھی! ہم پیار سے انھیں باپو جی کہتے تھے۔ وہ عقل مند انسان تھے لیکن کبھی انھوں نے اپنی عقل مندی کا دکھاوا نہیں کیا۔ وہ ایک سادہ انسان اور مختلف اعتبار سے بچوں جیسے تھے اور انھیں بچوں سے بے حد پیار تھا۔ انھوں نے ہمیں ہنستے کھیلتے ہوئے دنیا کا مقابلہ کرنا سکھایا۔

ہمارا ملک ایک بہت بڑا ملک ہے اور ہم سب پر بہت کچھ کرنے کی ذمے داری ہے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک تھوڑا بہت اپنا فرض انجام دے گا تو یہ بہت ہو جائے گا اور ملک خوشحالی اور ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہوگا۔

میں نے تم سے اس خط کے ذریعے یوں بات کرنے کی کوشش کی ہے جیسے تم میرے سامنے بیٹھے ہو اور میں جتنا لکھنا چاہتا تھا، اس سے زیادہ لکھ چکا ہوں۔

جواہر لال نہرو

3/دسمبر 1949

(بشکریہ ٹائمس آف انڈیا، 14/اکتوبر 2002)

مترجم: مشرف علی

242, Jhelum Hostel, JNU, New Delhi

□□□

گوتم بدھ

زندگی کو سمجھنے اور اسے بہتر بنانے میں اچھا ادب معاون ہوتا ہے اور ساتھ ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ ذہنی تفریح بھی بہم پہنچاتا ہے۔ بڑوں کی طرح بچوں کا بھی یہ حق ہے کہ ان کی ذہنی ضرورتوں کے مطابق انھیں اچھا ادب فراہم کیا جائے جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو تاکہ بچے خوشی خوشی اس کا مطالعہ کریں۔ کونسل نے چلڈرن بک ٹرسٹ کے اشتراک سے بچوں کے لیے بڑی تعداد میں ایسی کتابیں شائع کی ہیں جو اس معیار پر پوری اترتی ہیں۔

ذیل میں قومی اردو کونسل کی شائع کردہ صفدر حسین کی کتاب ''ہندستان کی بزرگ ہستیاں (حصّہ اوّل) '' سے ایک کہانی پیش کی جارہی ہے۔

اس کتاب میں ہندستان کی چند عظیم شخصیات گوتم بدھ، شنکراچاریہ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، گرونانک، فریدالدین گنج شکر، میرابائی، تلسی داس، دیانند سرسوتی اور رام کرشن پرم ہنس کا تعارف بے حد دلنشیں اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کو ان بزرگ ہستیوں کے حالاتِ زندگی سے نہ صرف بھرپور واقفیت حاصل ہوگی بلکہ ان میں خود کو بہتر بنانے اور قوم اور ملک کی خدمت کا جذبہ بھی بیدار ہوگا۔ 87 صفحات کی اس کتاب کی قیمت 15روپیے ہے۔

حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے سے تقریباً پانچ سو سال پہلے نیپال کی ترائی میں ایک بڑی ریاست تھی جس پر راجہ شودودھن راج کرتے تھے۔ ان کی راجدھانی کا نام کپل وستو تھا، ان کے پاس بھگوان کا دیا سب کچھ تھا لیکن اولاد نہ ہونے کی وجہ وہ ہمیشہ اداس رہتے تھے۔ راجہ شودودھن کی دو رانیاں تھیں۔ رانی مہامایا اور رانی گوتمی۔

راجہ اولاد کے لیے ہر روز بھگوان سے دعا کرتے تاکہ ان کے بعد راج پاٹ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہو۔ دن گزرتے گئے، مہارانی مہامایا کی عمر چالیس سال کی ہوگئی، تب بھی انھیں اولاد کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

ایک رات رانی مہامایا نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ محل کے باہر کھیل رہے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر دوڑتی ہوئی محل سے باہر گئیں اور ایک بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کیا، اس کے بعد ہی کیا دیکھتی ہیں کہ سارے لوگ غائب ہوگئے اور وہ اکیلی اُداس ہو کر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی محل میں واپس آگئیں۔

صبح مہارانی نے اپنے خواب کا ذکر راجہ سے کیا۔ بھلا راجہ اس خواب کا مطلب کیا سمجھ سکتا؟ اس نے پنڈتوں سے اس خواب کا مطلب پوچھا۔ پنڈتوں نے بتایا کہ مہارانی کو لڑکا پیدا ہوگا جو آگے چل کر ایک بہت بڑا آدمی بنے گا۔ یہ اگر راجہ بنے گا تو ساری دنیا پر راج کرے گا اور راجہ نہ بنے تو دنیا سے برائیوں کو دور کرے گا اور بھلائی کے کام میں اپنی ساری زندگی گزار دے گا۔

راجہ یہ سُن کر پریشان ہو گیا۔ آخراس نے پوچھا کہ کیا میرا لڑکا دنیا چھوڑ دے گا؟ پنڈتوں نے کہا کہ ہاں! وہ دنیا چھوڑ دے گا اگر وہ کوئی بیمار آدمی کو دیکھے، دوسرے یہ کہ اگر وہ کوئی بوڑھا آدمی دیکھے، تیسرے یہ کہ اگر وہ کسی کو مرتا دیکھے اور چوتھے یہ کہ اگر وہ کسی سنیاسی سے ملے۔ یہ باتیں سن کر راجہ بہت فکر میں پڑ گیا۔

آخر ایک سال کے بعد مہارانی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ ساری ریاست میں خوشیاں منائی گئیں۔ راجہ تو بہت خوش تھا لیکن سدھارتھ کے پیدا ہونے کے سات روز بعد ہی ان کی ماں مہامایا کا انتقال ہو گیا۔

راجہ کو مہارانی کی موت سے بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے اولاد کا سکھ تو دیکھ لیا لیکن مہارانی ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی تھیں۔

راجہ کی دوسری بیوی گوتمی نے سدھارتھ کو اپنا ہی بچہ سمجھ کر بڑی محبت سے ان کی پرورش کی۔

جب سدھارتھ پانچ سال کے ہو گئے تو راجہ نے ان کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ سدھارتھ بچپن ہی سے بہت ہوشیار تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے لکھائی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ہتھیار چلانا، رتھ ہانکنا اور گھوڑے کی سواری بھی اچھی طرح سیکھ لی۔ اگرچہ سدھارتھ تیر چلانا اور شکار کھیلنا اچھی طرح جانتے تھے لیکن انھوں نے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کسی جاندار کی جان نہیں لی۔

سدھارتھ راجہ کے بیٹے تھے۔ انھیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ کئی نوکر چاکر تھے۔ ہر قسم کا آرام تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ اکیلے رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں اکیلے بیٹھے سوچ بچار کیا کرتے۔ ان کو بس ہمیشہ یہی فکر رہتی کہ دنیا کو کس طرح دکھ درد سے چھٹکارا دلایا جائے۔

راج کمار سدھارتھ کی یہ حالت دیکھ کر راجہ کو بہت فکر رہنے لگی اور انھیں پنڈتوں کی تمام باتیں یاد آنے لگیں۔ انھیں ڈر تھا کہ کہیں سدھارتھ گھربار چھوڑ کر سنیاسی نہ بن جائے۔ اسی لیے انھوں نے سدھارتھ کی شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اب راج کمار سدھارتھ کی عمر اٹھارہ سال کی ہو گئی تھی۔ راجہ نے ریاست میں جتنی نیک اور خوب صورت لڑکیاں تھیں سب کو محل میں بلایا اور سدھارتھ سے اپنی دلہن پسند کرنے کے لیے کہا۔ سدھارتھ نے کسی لڑکی کو زیور دیے کسی کو کچھ تحفہ دیا اور جب اِن کے ماموں کی لڑکی یشودھرا کی باری آئی تو انھیں ایک پھول دیا۔ جب راجہ کو خبر ملی کہ راج کمار نے یشودھرا کو پھول دیا ہے تو ان ہی سے سدھارتھ کی شادی کر دی گئی۔

سدھارتھ کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، وہ ہر وقت اُن کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے اور کبھی محل سے باہر نہیں نکلتے۔ اس طرح دونوں کی زندگی ہنسی خوشی سے بسر ہونے لگی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ راج کمار سدھارتھ کو محل کے باہر کی دنیا دیکھنے کا شوق ہوا۔ انھوں نے اپنے رتھ بان چنّا کو رتھ تیار کرنے کا حکم دیا، اس نے راج کمار کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن سدھارتھ نہ مانے۔ جب وہ رتھ میں سوار ہو کر کپل وستو کی

گلیوں سے گزر رہے تھے تو انھیں راستے میں ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا۔ وہ لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا۔ سدھارتھ نے چنّا سے رتھ روکنے کے لیے کہا اور پوچھا "یہ کون ہے؟" چنّا نے جواب دیا "راج کمار، یہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔" چوں کہ راج کمار نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بوڑھا آدمی دیکھا تھا اسی لیے انھوں نے چنّا سے پوچھا "کیا سب لوگ اسی طرح بوڑھے ہو جاتے ہیں۔" چنّا نے کہا ہاں، سرکار! یہ دنیا ہمیشہ ایک سی حالت پر نہیں رہتی۔ جو آج جوان ہے وہ کل ضرور بوڑھا ہوگا۔" چنّا کی یہ بات سن کر راج کمار بہت اُداس ہوگئے۔ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر محل واپس چلے آئے۔

دوسری مرتبہ اسی طرح ایک دن جب وہ محل سے باہر گئے تو انھیں راستے میں ایک بیمار آدمی دکھائی دیا۔ سدھارتھ نے اس وقت تک کوئی بیمار دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے رتھ بان چنّا سے پوچھا "ارے! چنّا یہ کون ہے؟" اس نے کہا "راج کمار، یہ ایک بیمار آدمی ہے۔" پھر سدھارتھ نے پوچھا "انسان بیمار کیوں ہو جاتا ہے؟" چنّا سٹ پٹایا کہ آخر کیا جواب دے۔ پھر اس نے رُکتے رُکتے کہا "راج کمار، سب انسان کبھی نہ کبھی بیمار ہوتے ہیں اور بیمار ہونے کے بعد مر جاتے ہیں۔"

پھر سدھارتھ آگے بڑھے تو ایک لاش پر نظر پڑی لوگ اُسے کندھوں پر اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ پھر راج کمار نے چنّا سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ موت پر کسی کا بس نہیں چلتا اور ہر آدمی ایک نہ ایک دن مرنے والا ہے۔ یہ سُن کر راج کمار خاموش ہوگئے اور سوچنے لگے کہ دنیا میں انسان خوشی کی زندگی کیسے بسر کر سکتا ہے؟

اب ان کو دنیا سے نفرت ہوگئی تھی اور اسے چھوڑ دینے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ ان ہی دنوں سدھارتھ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اُس دن وہ خوش رہنے کے بجائے اُداس رہے۔ بچے کے پیدا ہونے کی خوشی کس کو نہیں ہوتی لیکن سدھارتھ نے سوچا کہ یہ ایک نیا بندھن پیدا ہو گیا ہے۔

کچھ دن بعد آخر وہ ایک رات اپنی بیوی اور بچے کو سوتا چھوڑ کر محل سے نکل پڑے۔ کچھ دور جا کر رات کے اندھیرے میں انھوں نے اپنے سارے زیور اتار کر پھینک دیے۔ قیمتی کپڑوں کی جگہ پھٹی پرانی دھوتی پہن لی۔ تلوار سے اپنے بال کاٹ کر پھینک دیے اور اس طرح راج کمار سے فقیر بن گئے۔

محل سے نکل کر وہ سیدھے جنگل کی طرف چل دیے۔ وہاں انھیں ایک سنیاسی ملا جس نے اُن کو اپنا چیلا بنالیا۔ اس سنیاسی کے پاس رہ کر انھیں بہت محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی۔ انھیں پیٹ بھر کھانے کو نہ ملتا تھا جس سے وہ بہت کمزور ہوگئے۔ سدھارتھ نے سوچا کہ اس طرح بھی خوشی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ وہ کئی سادھو سنیاسیوں سے بھی ملے۔ کئی دنوں تک بھوکے پیاسے رہے لیکن کسی طرح بھی انھیں شانتی نہ ملی۔ بارہ سال تک ادھر ادھر گھومتے ہوئے آخر کار وہ ایک مقام "گیا" پہنچے۔ یہاں وہ ایک پیپل کے درخت کے نیچے خدا کے دھیان میں بیٹھ گئے۔ کہیں سے ایک لڑکی اُدھر آنکلی۔ اس کا نام سجاتا تھا۔ اُس نے جب سدھارتھ کی یہ حالت دیکھی جو سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے تو سجاتا کو بڑا ترس آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے کھلایا پلایا تو

سدھارتھ کی سمجھ میں آیا کہ اپنی جان کو دکھ دینے سے کیا فائدہ؟ آدمی کھائے پیے، بات چیت کرے مگر کوئی پاپ نہ کرے۔

اسی پیپلؔ کے درخت کے نیچے کئی دن بھگوان کے دھیان میں بیٹھنے کے بعد انھیں ایک روز روشنی نظر آئی جس کی انھیں تلاش تھی۔ اور اسی دن سے لوگ انھیں "مہاتمابدھ" کے نام سے پکارنے لگے۔

یہ پیپل کا درخت آج بھی "بودھی درخت" کے نام سے مشہور ہے جہاں ہر سال بدھ مذہب کے پیروؤں کا بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

سدھارتھ مہاتمابدھ بن جانے کے بعد اپنے دھرم کا پرچار کرنے لگے۔ اب ان کی شہرت ہر طرف پھیلنے لگی۔ پھر تو یہ حال ہوا کہ جو کوئی مہاتما گوتم بدھ کی نیک باتیں سنتا، ان کا پیرو بن جاتا۔ اس طرح بڑے بڑے راجہ مہاراجہ بھی گوتم بدھ کے چیلے بن گئے۔

چند سال بعد مہاتما گوتم بدھ اپنی راجدھانی کپل وستو گئے۔ یہاں ان کے سوتیلے بھائی آنند کا بیاہ ہو رہا تھا۔ آنند نے گوتم بدھ کی باتیں سنیں تو بیاہ چھوڑ کر بھائی کے چیلے بن گئے پھر گوتم بدھ اپنے والد راجہ شدودھن، اپنی بیوی یشودھرا اور بچے سے بھی ملے، وہ سب کے سب ان کے چیلے بن گئے۔ پھر اس کے بعد تو کپل وستو کے سارے لوگ گوتم بدھ کے پیرو بن گئے۔

مہاتما گوتم بدھ کی اس شہرت کو دیکھ کر بعض ناسمجھ لوگ انھیں خدا سمجھ بیٹھے۔

ایک مرتبہ ایک غریب عورت کا بچہ مر گیا۔ اس مرے ہوئے اکلوتے بچے کو بیچاری کلیجے سے لگائے پھر رہی تھی۔ کسی نے اس سے کہہ دیا کہ گوتم بدھ مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ عورت بھاگی بھاگی مہاتمابدھ کے پاس پہنچی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی "اے بھگوان بدھ! میرا بچہ زندہ کر دو۔" مہاتمابدھ نے کہا "یہ کیا مشکل ہے۔ تم کہیں سے مٹھی بھر رائی کے دانے لے آ۔ مگر دیکھو کسی ایسے گھر سے لانا جس کا کوئی آدمی مرا نہ ہو۔" عورت دوڑی دوڑی ایک امیر کے دروازے پر پہنچی اور مٹھی بھر رائی کے دانے منگے۔ امیر کی بیوی نے کہا "جتنا تمھارا جی چاہے لے جاؤ۔" عورت نے پوچھا "پہلے یہ بتاؤ کہ تمھارے گھر کا کوئی آدمی مرا تو نہیں؟" امیر کی بیوی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ابھی مہینہ بھی نہیں گزرا کہ میرا شوہر مر گیا۔" عورت نے رائی کے دانے واپس کر دیے۔ اور پھر ایک غریب کے دروازے پر پہنچی۔ گھر میں سے ہنسی کی آواز آ رہی تھی۔ عورت نے سوچا، اس گھر سے کیوں نہ مانگوں جہاں خوشی ہی خوشی ہے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو معلوم ہوا کہ اس گھر کا بڑا لڑکا مر گیا ہے۔ وہ اسی طرح کئی گھروں پر گئی لیکن اسے کوئی ایسا گھر نہ ملا جس کا کوئی آدمی نہ مرا ہو۔ آخرکار اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ ہر ایک کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اس طرح اس کا غم ہلکا ہوا۔

مہاتمابدھ کپل وستو میں دو ماہ تک رہے، یہاں سے اپنے پیروؤں کو دور دور کے مقامات کو بھیجا تاکہ وہ بدھ مذہب کا پرچار کریں اور وہ خود ایک جنگل میں رہنے کے لیے چل دیے۔

اسی جنگل میں ایک ڈاکو انگولی مال رہا کرتا تھا، جو بھی وہاں سے گزرتا اس کو مار ڈالتا تھا۔ مہاتما بدھ اکیلے ہی جنگل میں انگولی مال کے غار کے پاس پہنچے۔ انگولی مال نے مہاتما بدھ کو دیکھ کر اپنی تلوار نکالی اور ان کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ پھر مہاتما بدھ نے اس کو نیک راستے پر چلنے کی نصیحت کی۔ چنانچہ انگولی مالا اسی وقت ان کا پیرو بن گیا اور نیک زندگی گزارنے لگا۔

اب گوتم بدھ اس جنگل سے نکل کر بدھ مذہب کا پرچار کرتے ہوئے سارے ملک میں پھرنے لگے۔ وہ جہاں بھی جاتے لوگ ان کی نیک باتیں سنتے ہی ان کے پیرو بن جاتے۔

گوتم بدھ کی یہ شہرت دیکھ کر ان کا ایک رشتہ کا بھائی دیودت سے جلنے لگا اور ان کو قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی لیکن جب اسے کامیابی نہ ہو سکی تو آخر کار ایک مرتبہ اس نے ایک مہاوت کو لالچ دے کر گوتم بدھ کو مروانے کی کوشش کی۔ مہاوت نے جب ہاتھی کو مہاتما بدھ کی طرف ہانکا تو وہ بالکل پریشان نہ ہوئے۔ جب ہاتھی نے بڑھ کر ان کو اپنی سونڈ میں اٹھا لینا چاہا تو مہاتما بدھ نے ہاتھی کی سونڈ پر ہاتھ سے تھپکا تو وہ فوراً بیٹھ گیا اور اپنی سونڈ مہاتما کے قدموں پر رکھ دی۔

مہاتما گوتم بدھ نے ہر برائی کا مقابلہ اچھائی سے کیا۔ ان کے دھرم کا خاص اصول سچ بولنا اور جانوروں پر رحم کرنا ہے۔

گوتم بدھ کہا کرتے تھے کہ ماں باپ اور گرو کی خدمت کرو۔ ان کا حکم مانو اور اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرو۔ ذات پات کا خیال بالکل بیکار بات ہے۔ سب انسان آپس میں برابر ہیں۔

گوتم بدھ اپنے دھرم کا پرچار کرتے ہوئے شہر کوسی نارا کے قریب ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے کچھ تھکن محسوس کی اور آرام کرنے کے لیے زمین پر لیٹ گئے اور اپنے بھائی آنند سے تھوڑا سا پانی لانے کے لیے کہا۔ پانی پیتے ہی گوتم بدھ نے کہا کہ اب میری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ آنند اور دوسرے پیروؤں نے یہ سن کر دو درختوں کے بیچ ان کے لیے بستر بنایا اور مہاتما بدھ کو اس پر لٹا دیا اور کچھ ہی دیر بعد مہاتما گوتم بدھ کا انتقال ہو گیا اور وہیں ان کو جلایا گیا۔ ان کی راکھ کو مختلف مقامات پر بھیجا گیا۔ جہاں اسے دفن کر کے اس پر استوپ بنائے گئے اور آج بھی بدھ مذہب کے پیرو یاترا کے لیے جاتے ہیں۔ ان سب میں بڑا استوپ رانچی میں ہے۔

اسی برس کی عمر تک مہاتما گوتم بدھ دنیا کو سچائی کا سبق دیتے رہے اور اپنے دھرم کا پرچار کرتے رہے۔ آج بھی جبکہ ان کو مرے ہوئے ڈھائی ہزار برس گزر چکے ہیں، ان کے پیرو نہ صرف ہندستان میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں بلکہ جاپان، ملایا، برما اور سیلون میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

National Council for Promotion of Urdu Language ★ New Delhi ★
ACC No. 51681
15/10/2010

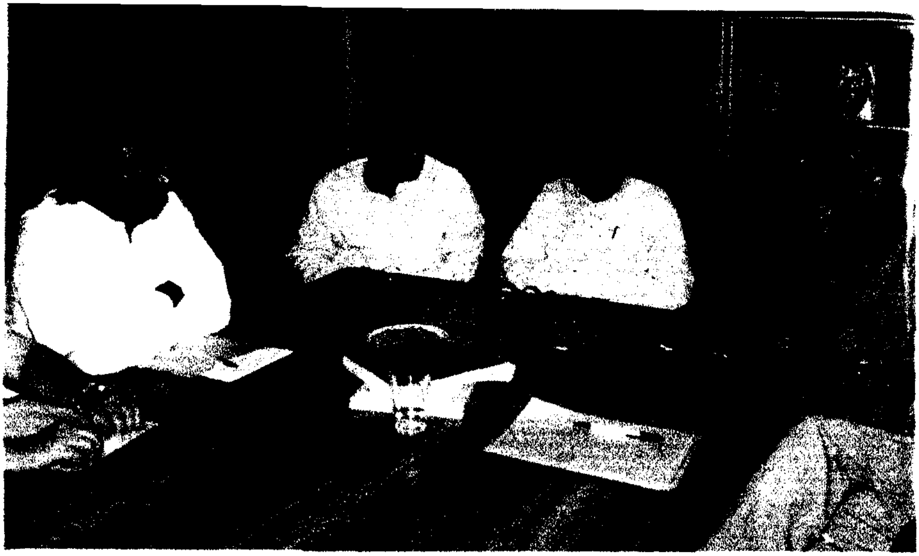

نیشنل اوپن اسکول نے قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں 10 تا 12 / اکتوبر 2002 کو "اورینٹیشن آف لیسن رائٹرز اینڈ ریویو آف لیسنز" کے موضوع پر ایک سہ روزہ ورکشاپ منعقد کی۔ اس موقعے پر لی گئی تصویر میں (دائیں سے) جناب رستوگی (مشیر، نیشنل اوپن اسکول)، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، اور ڈاکٹر شعیب رضا وارثی

قومی اردو کونسل کے اہم مقاصد میں بچوں کے لیے نہ صرف دل چسپ اور معلوماتی کتابیں شائع کرنا شامل ہے بلکہ وہ مختلف مواقع پر بچوں کے ثقافتی پروگرام بھی منعقد کراتی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ لال قلعہ میدان میں منعقدہ کل ہند اردو کتاب میلے کے موقعے پر ایسے ہی ایک ثقافتی پروگرام [illegible]

URDU DUNIYA Monthly, December 2002, Vol. 4, Issue: 12
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

چلو چاند پر چلیں

مصنف: جے پرکاش بھارتی

اس کتاب میں بے حد دلچسپ انداز میں چار کرداروں کی مدد سے چاند سے متعلق جدید معلومات پیش کی گئی ہیں۔ بچوں کے لیے یہ کتاب بے حد معلوماتی ہے اور کھیل کھیل میں انھیں بہت سی جانکاریاں فراہم کرتی ہے۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات: 64، قیمت: -/14 روپے

ہندستان کی بزرگ ہستیاں

مصنف: صفدر حسین

اس کتاب میں ہندستان کی چند عظیم شخصیات گوتم بدھ، شنکر اچاریہ، خواجہ معین الدین چشتی، گرونانک، فریدالدین گنج شکر، مہاتما بدھ، تلسی داس، سوامی دیانند سرسوتی اور رام کرشن پرم ہنس کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کو ان بزرگ ہستیوں کے حالات زندگی سے نہ صرف بھرپور واقفیت حاصل ہوگی بلکہ ان میں خود کو بہتر بنانے اور قوم اور ملک کی خدمت کا جذبہ بھی بیدار ہوگا۔

پہلا ایڈیشن، صفحات: 87، قیمت: -/13 روپے

فسانۂ عجائب

مصنف: ڈاکٹر نورالحسن نقوی

یہ رجب علی بیگ سرور کی مشہور کتاب ہے جو پر تکلف عبارت اور مشکل اسلوب کے لیے مشہور ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن نقوی نے بچوں کے لیے اسے آسان زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ اس میں قصے سے قصہ نکلتا ہے اور کسا ہوا پلاٹ بھی موجود ہے۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات: 83، قیمت: -/16 روپے

انوار سہیلی کی کہانیاں

مصنف: ملا حسین واعظ کاشفی

ملا حسین واعظ کاشفی کی مشہور کتاب سے 46 منتخب کہانیاں جو دلچسپ بھی ہیں اور اخلاقیات کا درس بھی دیتی ہیں۔ جانوروں کی زبانی انسانی زندگی کی حقیقتوں کی ترجمانی۔ بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے۔ کہانیوں کا انتخاب اور ترجمہ ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 93، قیمت: -/23 روپے

تنقید عقل محض

مصنف: ایمانوئل کانٹ، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین

جرمن فلسفی کانٹ اور اس کی اس مشہور و معروف کتاب کو جدید فلسفے میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب کا موضوع بحث فلسفے کا سب سے ادق مسئلہ یعنی نظریۂ علم ہے۔ اس ترجمے میں جو اصل کتاب سے براہ راست کیا گیا ہے، نفس مضمون کو صحت، سلاست اور وضاحت کے ساتھ ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

صفحات: 488، قیمت: -/158 روپے

مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت

مصنف: ابوالکلام قاسمی

اردو شعریات کے خد و خال کے تعین کے لیے اپنی اساس اور اپنی جڑوں کی کھوج اور ان کی بازیافت ضروری ہے۔ اس کتاب میں عربی اور فارسی شعریات کے ان عناصر کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے جن کو اردو شعریات کی تشکیل میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

صفحات: 382، قیمت: -/124 روپے

اورنگ زیب کے عہد میں مغل امرا

مصنف: محمد اطہر علی، مترجم: امین الدین

اورنگ زیب کا عہد حکومت (1658-1707) مغل سلطنت کا دور عروج بھی ہے اور اس عظیم سلطنت کے زوال کا زمانہ آغاز بھی۔ عروج و زوال کی اس کہانی میں اس کے دربار کے مغل امرا نے دانستہ یا نادانستہ کیا کردار ادا کیا، یہ کتاب اس سوال کا تفصیلی جواب پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 350، قیمت: -/126 روپے

دکنی ہندو اور اردو

مصنف: نصیرالدین ہاشمی

اردو جس گنگا جمنی تہذیب کی ترجمان ہے، اس کی تشکیل میں برصغیر ہند کی سبھی مذہبی اکائیاں شامل رہی ہیں۔ دکن میں جن ہندو شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں نے اردو کو اپنا وسیلۂ اظہار بنایا ان کا اور ان کے کام کا تعارف۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 296، قیمت: -/111 روپے

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066, Editor Dr. M. Hamidullah Bhat. Tel : 6103381, 6103938